

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے
مولوی محمد حسین کپڑی، چریا کوٹی نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی،
نے نظر ثانی فرمائی

۸۹۱۵۲۳۱

ج ۲

۱۹۳۹ء

ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، آلہ آباد

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے
مولوی محمد حسین کسٹنی، چیریا کوٹی، نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی،
نے نظر ثانی فرمائی

۱۹۳۹ء

ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، آلہ آباد

Published by
THE HINDUSTANI ACADEMY, U. P.,
ALLAHABAD

FIRST EDITION :

Price Rs. 2-0-0 (Paper)

Rs. 2-8-0 (Cloth)

Printed at
THE CITY PRESS, ALLAHABAD.

دیباچہ

”جواہر سخن“ مرتبہ مولوی محمد مدین صاحب ”کھفی“ چریاکوٹی کا یہ چوتھا حصہ ہے۔ اس حصے پر عالی جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی، صدر شعبہ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی نے نظر ثانی فرمائی۔ اس کے بعد اکھڈیمی کی جانب سے اس کی صحت و طباعت کا انتظام مہرے سہرہ ہوا۔ میں نے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کی ہدایت کے مطابق اس جلد کا مقابلہ اصل دیوانوں سے کیا۔ کئی اور قابل ذکر شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل کیا، شعرا اور کلام کی ترتیب میں ضروری تغیر کی، اور تقریباً تمام شعرا کا مختصر حال از سر نو لکھا۔ حالات اور سذھن کی جانچ کر کے جہاں جہاں ضرورت تھی ماخذوں کا حوالہ بھی دے دیا۔ اب اس جلد میں کل ۲۵ شاعروں کے کلام کا انتخاب اور اُن کا مختصر حال ہے۔

متن کی تصحیح میں کبھی کبھی دقت پڑی۔ جن دیوانوں کے کئی کئی نسخے تھے اور اُن میں آپس میں اختلاف تھا، راجح کو متن میں قائم رکھ کر ہر صفحے کے نیچے اختلاف کو واضح کر دیا۔ بعض جگہ دیوانوں میں الفاظ اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ اُن کا پڑھنا ناممکن تھا، اُن کو اپنے قیاس سے قرائن کے مطابق پڑھ کر درست کیا اور تمیز کے لیے ایسے الفاظ کو کھلی دار خطوں [] میں رکھا ہے۔

محمد رفیع

{ ہندستانی اکھڈیمی
الہ آباد

فهرست شعرا

ردیف	نام	صفحه
۱	گرها	نواب فقور محمد خاں
۲	قلقی	خواجہ ارشد علی
۳	شمس	مہر مظفر حسین
۴	خلعتی	مہر مستحسن
۵	انہس	مہر بہر علی
۶	دبیر	مہرزا سلامت علی
۷	عشقی	سہد حسین مرزا
۸	مونس	مہر محمد نواب
۹	نہیس	مہر خوردشہد علی
۱۰	نور	مہر وزیر لکھنوی
۱۱	ملیر	سہد اسماعیل حسین
۱۲	صنیر	سہد فرزند احمد
۱۳	قدر	سہد غلام حسین
۱۴	جوہر	لالہ مادھو رام
۱۵	کامل	سہد علی مہاں
۱۶	ذاکر	ذاکر علی
۱۷	صنیر	شاہ غلام حیدر
۱۸	ہجر	تربہون ناتھ
۱۹	چہرت	محمد جان خاں
۲۰	سلم	گوری شنکر
۲۱	جوہر	جواہر سنگھ
۲۲	طاهر	طاهر علی
۲۳	کھف	پلندت شوناتھ چک
۲۴	تہصر	شاہ امین الدین
۲۵	آسی	شاہ عبدالعلیم

گویا

حسام الدولہ نواب فقہر محمد خاں ”گویا“ قوم افغان (آفریدی) لکھنؤ کے امرا میں سے تھے۔ ابتدا سے شاعری کا شوق تھا۔ ناسخ کے شاکرد تھے اور خواجہ وزیر سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ ۱۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ انوار سہیلی کا ترجمہ ”بستان حکمت“ اور ایک دیوان ان سے یادگار ہے۔ انہوں نے اپنا دیوان ۱۲۴۲ھ میں مرتب کیا تھا جو ۱۸۸۸ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا [۱]۔

کلام سے مشاقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آورد کے ساتھ آمد کا بھی کچھ رنگ ہے۔ اکثر اصناف میں یکساں روانی کے ساتھ لکھتے ہیں۔

غزلیات

خونِ دوڑ چشمِ زخم سے مہں تھری یاد میں
یارب، نشانہ ہوں تری اُلفت کے تیر کا
پاپوش جس کے سر پہ رکھی بادشہ ہوا
اللہ رے، مرتبہ ترے در کے فقہر کا

کوئی منجہ سا دیوانہ پیدا نہ ہوگا
ہوا بھی، تو پھر ایسا رسوا نہ ہوگا

آپ سے جب گذر کئے، پہلچے
یاد ہے راستہ ترے گھر کا

✓ نتیجہ سا کوئی نہوں گلِ رعنا
چمن روزگار کو دیکھا

نہ اے لاسکے تو مرگئے آپ :
چندر اور اختیار کو دیکھا

✓ اپنی غفلت ہے عینِ ہشماري ؛
خواب مہں ہم نے یار کو دیکھا

✓ موت آئی مگر نہ ہمار آیا : اتر انتظار کو دیکھا

نہ آئے آپ میں ہم ' ہمار پور گوا آکر : مزاج ایذا یہ خود رفتگی پسند ہوا
شراب پی کے میں ' اے معصوب دعاؤں کا جو روز جمعہ درِ مہکدہ نہ بلند ہوا
اُٹھا جو بزم سے ساقی پکڑ لھا دامن میں آج دستِ سبو کا نہا زلفِ ہوا

زاهد نے طوفِ حرم کا کیا ' ہلندو نے بُت کو سجدہ کیا
ناکام وہ ہوں مجھ سے " گویا " یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

چشمِ جاناں کو دل زار نے سونے نہ دیا
رات بھمار کو بھمار نے سونے نہ دیا
' وصل میں آنکھ لگی تھی کوئی دم ' اُس کے عوض
عمر بھر چرخِ جفا کار نے سونے نہ دیا

نہا جو افتادگی شعار اپنا نہ زمیں سے اُٹھا قبار اپنا
ہاتھ میں سبکتہ توڑتا رہا گردن میں ہم سے آرزو دلِ گبر و مصلحاں نہ ہوا
اِس تمنا میں ہم ' افسوس ' ہوئے سودائی ' تھرے ہاتھوں سے مگر چاک گریباں نہ ہوا
مرضِ عشق مرا دیکھ کے ہسٹل نے کہا : ھیہ وہ درد کہ جس کا کبھی درماں نہ ہوا

نہ آنے کا ترا شکوا عبث ہے کبھی میں آپ میں آیا تو ہوتا
اگر آنکھیں ہمیں دی ہیں خدا نے کبھی اُس بُت کو دکھایا تو ہوتا
کہتا ہے مسیح ' جن کو جاں بخشے اُن ہونٹوں نے ' آہ ' ہم کو مارا

توڑ سکتے نہیں اک تار بھی اب شعف سے ہم
چاک کرتے تھے کبھی اپنا گریباں کھسا

✓ ناز و غم نے ' چشم و ابرو نے انہیں دو چار تے ہیں مارا
دھویِ خوں بہا کریں کس سے ؟ چشمِ مہخسار نے ہیں مارا

ہم کو شبِ وصال میں بھی غم ہوا نصیب :
دھڑکا یہی رہا کہ کہیں ہو نہ جائے صبح

اُس کے ہوں کافر و دیلدار نہ کہوں پروانے ؟
کہ چراغِ حرم و شمعِ کلہسا ہے وہ دُخ

خدا سے کم ؛ زیادہ سب سے کہے : یہی کلمہ ہے شایانِ محمد

ہر روہی ' خاک اُڑاتی ہے صبا مہرے بعد
ہو گئی اور ہی گلشن کی ہوا مہرے بعد
کہا ہی مرنے سے مرے شاد ہیں اللہ اللہ '
بُت کیا کرتے ہوں اب شکرِ خدا مہرے بعد
اُٹھ کھا صفحۂ ہستی سے نگہیں کی صورت
نہ رہا میں ' تو مرا نام رہا مہرے بعد

دعائیں مانگی ہیں مدتوں تک چھکا کے سر ' ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر '
ہوا ہوں تب میں بتوں کا بلدہ ' خدا خدا کر ' خدا خدا کر

آخر ترے فراق میں میرا ہوا وصال دیکھا نہ شامِ ہجر نے روے سحر ہلوز

کچھ نہ پوچھو ہم سے ' جو اُٹھا شکرِ رنجی میں لُطف ؟

سمجھے ہوں قلمِ مکررِ یار کی تکرار ہم

نقشِ پا کی طرح مٹ کر پائمال ' اب تو ' او ظالم ' مٹے جاتے ہیں ہم
جلد دنیا سے اُٹھا لے ' اے فلک ' چشمِ عالم سے گرے جاتے ہیں ہم
ایک خوش آتی نہیں تہرے بغیر ' لاکھ شکلوں دل کو دکھلاتے ہیں ہم
اور کچھ حاصل نہیں ' پر نام کو عاشقوں میں تہرے کہلاتے ہیں ہم

انکہ مجھ سے بھر کر کہتا ہے وہ : کدھ ایام دکھلاتے ہیں ہم
تو نے نظروں سے گرایا کیا ہمیں ' سب کی نظروں سے گرے جاتے ہیں ہم
ایسی خوش آتی ہے از خود رفتگی آپ میں برسوں نہیں آتے ہیں ہم
یہ غذا لکھی تھی کہا تقدیر میں ؟ کھوں ' فلک ' یوں تھو کریں کھاتے ہیں ہم ؟

دل ہے اُٹھتا وہ ہے پرتو فکن : یار کو آفوش میں پاتے ہیں ہم

نسانوانی یاں پر پرواز ہے رنگِ رُخ کے سانہ اُڑ جاتے ہیں ہم
دیکھو اب شامِ قربت کیا دکھائے رخصت اے صبحِ وطن جاتے ہیں ہم

وہ نہ ایلٹا ہوگا 'گر سرِ کانت کر دکھلاے کوئی'
پیانو پڑ کر کس لئے اب درد سر پیدا کروں؟

نہ مرنے کی بھی تری صورت کو دیکھ لے دوں گا
پڑوں گا غم کی آنکھوں میں 'وہ قہار ہوں میں'

زندہ جاوید ہونے کی تمنا ہے اگر
پہلے مرنے سے ملاوے آپ کو تو خاک میں

ایلی مڑہ پہ لغت جگر ہوں جلہ گز: روشن چراغِ جوسے لبِ آبجو کریں

ساجو ہمیں بھول گیا ہے ظالم 'اُس کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
ہم بلے چاند کے ہالے "گویا"
گرد اُس مہ کے رہا کرتے ہیں

وصل اگر ملاحظہ تھا پرویز کا گھر کھودنا
کوہ کن دیوانہ ہے شہر میں تو پتھر میں نہیں

پڑا ہے اس پہ تو زلفِ درازِ یار کا سایہ
قہامت تک شبِ فرقتِ سحر ہووے تو میں جانوں

درد پہلو میں رہا کرتا ہے 'جب سے تو نہیں'
ہجر میں بھی ایک دم خالی مرا پہلو نہیں

یہی کہ کہ کے ہجرِ یار میں فریاد کرتے ہیں
وہ بھرلے ہم کو بھٹکے ہیں جلیں ہم یاد کرتے ہیں

سمجھ کر چھوڑ 'امشاطہ' اُس کی زلفِ پُرخم کو
نہ برہم کر 'خدا کے واسطے' اسبابِ عالم کو

چلے ہیں کوچہ جانان میں آہِ آنشیں کرتے:
لہے جاتے ہیں اچھے سانہ جلت میں جہنم کو

فلجہ کوئی کہتا ہے ' کوئی وہم ' دھن کو
کچھ ملم سے تو بولو کہ یہ عقدہ کہیں حل ہو

دیکھ ' اے مجلوں ' مری فریاد کی تاثیر کو
دیدہ گریہاں بلایا حلقہ زنجیر کو

یاں شکوۂ قاتل سے نہ آلودہ زباں ہو ' جو زخم لگے وہ پے شکرانہ دہاں ہو
وہ کون سی جا ہے کہ نہیں جلوہ نما تم تسہر نہیں معلوم کہ کس جاہو ' کہاں ہو

✓ کوسمے ہو جو ہانہ اُٹھا کر تم اپنے نزدیک تو دعا ہے یہ

کہا ہی ' نام خدا ' ہے مہرا صلح بُت جسے کہتے ہیں خدا ' ہے یہ

دل بھی اُس سے اُٹھا نہیں سکتے : نائنوائی سی نائنوائی ہے !

تہجہ سے مغرور کی چھکی گردن : یہ بھی اک شان کورپائی ہے

✓ آپ کو جانتا ہے اُنہلہ : صاف یہ اُس کی خود نمائی ہے

حُسن نے ملکِ دل کہا تاراج ' حضرتِ عشق کی دُھائی ہے

آلفت یہ چھپائیں ہم کسی کی : دل سے بھی کہیں نہ اپنے جی کی

تھکرا کے چلے جہوں کو مہری : قسمت کے لکھے نے پاروی کی

جو پٹھان تھا وہی ہر سو عیاں ہے یہ کہہ لیں ترانی اب کہاں ہے ؟

حسرت دیدار نے مجھ کو کہا یہ بھٹواس :

جستجو تہری رہی گو تو نظر آیا مجھ

✓ اُتہ کے اُس پہلو میں تو بھٹھا تو ' فرط شوق سے '

دل بھی اِس پہلو سے اُس پہلو نظر آیا مجھ

بعد مرنے کے گریبانِ کفن ثابت رہا

✓ ہانہ اپنا آج بے قابو نظر آیا مجھ

✓ یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے ؟ کہ دستِ دعا آج دستِ سہو ہے

✓ گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا : نہ تہری سی رنگت نہ تہری سی بو ہے

✓ نہ ہوا کوئی مجھ سا مہو تصور : جسے دیکھتا ہیں ' سمجھتا ہوں تو ہے

’نہ ہو وصل تو رات دن ہے برابر؛ سحر کی، نہ کچھ شام کی، آرزو ہے
کسی گل کے کوچے سے گزری ہے شاید؛ صبا، آج جو تجھ میں پھولوں کی بو ہے

تم ونا کا عوض جفا سمجھ اے بتو، تم سے بس خدا سمجھ
دورے کھا ہو کے خوش سوے مقتل: اُس کے ہم گھر کا راستا سمجھ
جو ہے بھگانہ، آشنا ہے وہ: ہم جو کہتے ہیں، کوئی کھا سمجھ؟

کہو اُس برق و ہنس سے آج لازم سا نہ جانا ہے؛
جلازے پر ہمارے ابرِ رحمت شامیانا ہے
گر پہاں پہاڑ کر دست چلوں سے ہوگی کب فرصت؛
ابھی تو دامنِ صغرا کے بھی پرزے آنا ہے

ہوں میں وہ بلبل کہ مثلِ طائرِ قبلہ نما
ملہ نفس میں بھی نہ پھرا خانۂ صہاد سے
عاشق کی آہ جائے گی اب ہر شے کے پرے؛ زلفِ دراز بڑھ گئی قدِ بلند سے
ہے آہِ ہوساں کی رسائی، خدا ناک چوہ جائے فلک پہ، دلا، اُس کلمد سے

مآلِ عاشق و معشوق ہے ایک: سنا ہے شمع سوزاں کی زبانی
نہیں بچتا ہے ہمارِ مصیبت؛
سنا ہے ہم نے ”گوپا“ کی زبانی

دم آیا مہری آنکھوں میں، نہ آئے تم، نہ آئے تم
اجلِ بہر ہے اِس ہر روز کی اُمداداری سے

مرے گھر سے چلا وقتِ سحر جب وہ بُتِ کافر
خدا کو بھی نہ سونہاموں نے، یال تک بدگمانی ہے

ہمیں اِس قیدِ الم سے تو رہائی ہوتی: شبِ ہجران کے عوض موت ہی آتی ہوتی
بھدا، آتی اگر بلدہ نوازی تم کو؛ اے بتو، گھر میں تمہارے ہی خدائی ہوتی
وہ دکھائی قیامت وعدہ دیدار نے: رات دن ہے انتظارِ آمدِ معشر مجھ

خاک میں جو ملادیا مجھ کو : آسمان نے زمیں کو سونپا ہے
 کہ رہے ہیں شبِ فراق میں ہم : آج کس کو اُمید فردا ہے ؟

مضطرب نے ہجرِ یار میں چھوڑا اُسے اگر ————— آوازِ گریہ اُسے گی پھر تارِ چنگ سے
 مر گئے ہم ، تو صبا لائی جوابِ نامہ ————— وہ ہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

نہ آسمان کے ہوئے اور نہ ہم زمیں کے ہوئے
 جو تیرے دل سے گئے ہم نہ پھر کہیں کے ہوئے
 پھر کہیں چھپ چھپ کے ہم جانے لگے ؛ ————— لوگ پھر آ آ کے سمجھانے لگے

دل سے داغِ عشق پیرِ مہن مٹایا چاہوے :
 صبح ہو ، تو شمعِ روشن کو بجھایا چاہوے

ہیں سہکدوہں ، سدا قیدِ الم سے آزاد ؛ ————— کب گرفتارِ قفس ، مرغِ نظر ہوتا ہے ؟

لگاؤں دل بُتِ نا آشنا سے ————— عیبِ ہم پھر کئے اپنے خدا سے
 مسلمان بھی کریں سجدے بتوں کو ————— دعا مانگی تو یہ مانگی خدا سے

ہوں وہ مجرم ، کانپتا ہے خوف سے سارا بدن
 ہاتھ اٹھاتے شرمِ آنی ہے دعا کے واسطے

قصائد

حضرت علی کی مغنبت میں

ریاضِ دہر میں ہے بعدِ رنج ، راحت بھی
 کہ پھول کھلتے ہوں ، ہوتا ہے جب گلابِ قلم
 یہی اشارہ ہے اب چشمِ مستِ ساقی کا
 کہ وصفِ کشتی سے میں چلے شتابِ قلم
 مروس فکر اُٹھادے اب اپنے منہ سے نقاب
 ہوا نکل کے قلمِ دہاں سے بے حسابِ قلم

اگر لکھیں ترے دریائے فیض کی تعریف
رواں ہو صفحے پہ مانند موج آبِ قلم
شہا ' یہ تیری عدالت کا گدرد ہے بازار
کدہاں ہوا نہ سرِ شمع مہتابِ قلم

نصیر الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں

برنگِ گل جسے اب دیکھو وہ خلدان ہے
بہارِ عیش سے ہندوستان گلستان ہے
بدلیا ہند کو گلشن ' بہار نے ایسا
کہ شوقِ سحر میں سروِ چمن خراماں ہے
بہار ' باغِ مہں کھا کھا کھا رہی ہے گل
شگفتہ غلچہ ملقارِ غلدلیہاں ہے
چمن مہں کوچے اشارہ جو سروِ نخل حنا
تو سانہ اشارے کے انگلی برنگِ مرجاں ہے
دیاضِ دہر مہں پھرے تو سائے کی صورت
مردادِ دل عجب آرزو شعاباں ہے
چمن مہں بات جو کوچے تو ملم سے پھول جھڑیں
اب ان دنوں مہں یہ فیضِ بہارِ بستان ہے
زمین پہ دانہ جو پھیلا تو گر کے نخل ہوا
نمو کی سعی سے صہادِ سخت حیراں ہے
گرا زمین پہ اگر کوئی موتیہ کا پھول
صفا سے گوہرِ غلطان کی طرح غلطان ہے
کہیں ہے آٹے سے صاف تو زمین چمن
کہ اُس سے سبز کا فارستہ نک نمایاں ہے
نہالِ گلشن تصویر بھی ٹمرا لائیں
بہار کا چمن دہر مہں یہ فرماں ہے
ہے شوقِ گل مہں عجب رنگ آج گلچمن کا
جو دیکھو تو گریہاں بھی شکلِ داماں ہے

غازی الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں

خہال نرکس مہکوں جو تھا دم تحریر
 ہوئی ہے قلقل مہلے سے ، قام کی سریر
 وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر
 پلایا ہے مجھ طفلی میں دخت رز نے شہر
 خہال سادل خط مہں چلوں جو مہں وحشی
 قلم کی طرح ، مرے نقش پیا بلوں زنجیر
 زباں سے گو نہ کہا حال ناتوانی کا
 شکست رنگ سے کرتا رہا ہوں مہں تقدیر
 فسادگی مری ملاحظہ کلک قدرت تھی
 چہن نقش قدم پر لکھا خط تقدیر
 وہ شوح طفلی مہں کرتا تھا مشق بہتاں کی
 سریر کلک پہ رکھتا تھا تہمت تحریر
 نظر پڑی ترے بسمل کی جب سے بیعتابی
 مژہ کی شکل ہے جلیش میں جوہر شمشیر
 فلک نے پار ہوئی اپنی آہ نیم شبی
 ہمارے تھہر سے صیاد ہوگیا نکتچیر
 دلہب دیکھ کے کتے ہوں اس لہے ہم کو
 کہ آب توغ سے اپنی ہوئی ہے خاک ، خمیر
 مرے سبب سے جلوں کا ہے سلسلہ باقی
 قدم سے ہے مرے آباد ، کوچہ زنجیر

یہ ہے ترے در دولت کی خاک کی زائیر
 کہ جس فقہر کو دیکھو ہے صاحب اکسیر
 لکھے گا ملشی گردوں کچھ اپنا حال تجھ
 ترا وہ رتبہ ہے ، اے آفتاب عالمگیر

اتھاؤں بھر دعا مانہ اپنے اے مولا
 کہ تو ہے شاہ زمن مہں ہوں تیرے در کا فقہر

آلهی تا رہ قائم یہ آسمان و زمیں
 آلهی تا کہ رہ آفتاب و ماہ ملیں
 فلک پہ تا رہیں اختر ' زمیں پہ آدم زاد
 آلهی تا کہ رہ برق و وعد وابر مطہر
 مژہ کو تہر کہیں اور کمان ابرو کو
 ہمیشہ ہار کی زلفوں کو تا لکھوں زنجہر
 نگاہ ہار ہو یارب ' بلاے جاں جب تک
 سراک چشم پری تا ہو سرمہ تستغیر
 کمان چرخ ' ترے دوست کی ہو حلقہ بگوش
 ترے عدو کو لگائے شہاب ثاقب تہر
 الہی شرقی سے تا غرب نیرا حکم رہ
 کہا کریں تجھے سب آفتاب عالمگیر

تری بہارِ کرم کا ہے فوضِ عالم پر
 کہ پھل تو رکھتی ہے تلوار اور پھول سپر
 ہر ایک فیض سے تہرے ہے زندۂ جاوید
 یہ کوا ہے دخل کوئی ہو یتیم جز گوہر
 فقیر ' در پہ ترے جو گیا ہلکا وہ غلی
 کہ تہری خاک قدم میں ہے کھڑا کاثر
 نسیم صبح کو گر حکم ہو حفاظت کا
 نہ چاک ہووے گریبان فلجہ ہار دگر

ترے سحابِ کرم کا جو دشت میں ہو گذار
 تو شاخوں آہروں کی سبز ہو کے لائیں بار
 زمیں پہ ہاتھ جو تو دھوے ' اے سحابِ کرم '

تو آب ' خاک کو کر دے طلایے دست افشار
 جہان و اہل جہاں ' تہرے زیر دست میں سب
 زمیں پہ دست ستارے ترا ہے ابر بہار
 ہے ایک آئندہ ہردار تہرا اسکندر
 مثال قہصر و خاقان میں تہرے خدمتگار
 جو بھٹتے تخت پہ تو سب کہیں سلیمان ہے
 ہوں دست بستہ کہڑے انس و جن ہمیں ویسار
 اگر ہلندی اقبال کا نظارہ کرے
 سر فلک سے گزے آفتاب کی دستار

سلام

کہا حضرت نے پانی فوج کو مہری نہ دیں ظالم
یہ پھاسے وہ ہیں جو پھتے ہیں آبِ تیغ و خنجر کو
فرشتوں نے کہا شبیر کا سر دیکھ نہڑے پر
شہیدوں کا کیا سردار، حق نے ابنِ حیدر کو

سمجھ کے پانی بلکتا تھا اصغر بے شہر
پیدادہ لے گئے تا شام اُس کو کر کے اسیر
شقی یہ کہتے تھے پیدل ہی لے چلیں گے ہم
دل تکتے ہوا، یاد مجھے آگئے عابد
نہڑوں میں گہرا دیکھ کے اکبر کو شہ دیں
فرمانے لگے: شیرِ نوستان نظر آیا
جب نہر کہا کے اصغر بے شہر مر گیا،
یا شاہ دیں، بتاؤ مرا لال کیا ہوا؟
گردی کو خالی دیکھ کے بانو نے یہ کہا:
اصغر کو لاؤ، خالقِ اکبر کے واسطے
رتبہ نہ کہوں بلکہ ہو مودے سلام کا
ہانف نے کی ندا کہ سختی کا ہے سرِ بلند
ہوں مجرئی حسین علیہ السلام کا
نہڑے کی نوک پر جو چڑھا سرِ امام کا

متحس

بغیر خوابِ عدم، شاہ نے نہ خواب کیا،
کلا نیتا دیا، ہرگز نہ اضطراب کیا؛
سوائے آبِ دم تیغ، ترکِ آب کیا
سلام اُس پہ جسے حق نے کامیاب کیا
جہاں مہن شاہ شہیداں، عطا خطاب کیا

فراق

آفتاب الدولہ خواجہ ارشد علی [۱] خاں ”فراق“ خواجہ بہادر حسین ”فراق“ کے ہوتے ، لکھنؤ کے رہائے والے خواجہ وزیر کے بھانجے اور شاگرد تھے [۲] - ہرے تک واجد علی شاہ کے مصاحب خاص رہے - جب وہ لکھنؤ سے کلکتے آئے تو ”فراق“ بھی اُن کے ساتھ تھے - اُن کی مثنوی ”طلسم اللفت“ مشہور ہے - دیوان ”مظہر عشق“ کے نام سے مطبع نولکشور کانپور (۱۳۲۹ھ) میں چھپ گیا ہے ، جو تمام اصناف سخن پر حاوی ہے - ۱۲۸۱ھ کے بعد وفات پائی -

غزل میں خراجہ وزیر سے علیحدہ آمد کی شان دکھتے ہیں ، جذبات کی طرح معاملہ بلندی کی جھلک موجود ہے ، زبان کی سلاست کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے - غزل کی طرح اور اصناف میں بھی اُن کا رنگ یکساں ہے -

غزلیات

صدائے آہ ہے مضراب غم کی چھوڑ سے پیدا
دل نالیں نہا پردہ ہے قانون معصیت کا
کہا ہے آبشاری سرشک غم سے مٹائے میں
مرے گلشن میں لالہ نام ہے داغ معصیت کا

[۱]—مثنیٰ شعرا میں خواجہ اسد اللہ نام لکھا ہے ، لیکن یہ مرثیہ ہے -

[۲]—مثنیٰ شعرا و تاریخ ادب اردو ج ۱ ص ۳۰۶ -

تھا قصد قتل غور ، مگر میں طلب ہوا :
 جلاّد مہربان ہوا ، کہا سبب ہوا ؟
 روتے تھے غزل و ہوش ہی کو ہم تو عشق میں
 لو اب تو دل سے صبر بھی رخصت طلب ہوا

پامال ہوں گے یار کی رفتارِ ناز سے مضمون کھلا یہ آج خطِ سرِ نوشت کا
 یہ معدوم بوخارِ دی دلِ ذی ہوش ہو گیا : دونوں جہاں کا لطف ، فراموش ہو گیا
 اُٹھایا جب دہائی کا اتحادِ عشق نے پردہ
 تو عالمِ چشمِ منجلیوں میں ہوا لیلیٰ کے محفل کا
 اظہارِ عشق ، رنگِ رُخِ زرد نے کیا بدلے یہ اتہام ہے افشائے راز کا
 ہوئی قضاے عمری ، ادا ، اپنی زیرِ تیغ آیا ہے آج وقت ہماری نماز کا
 مژدہ ، اے دل ، کہ بس اپنی اجل آ پہنچتی
 حسرت ، اے جان ، کہ ہم سے درِ جانناں چھوٹا

چوم لیں نہٹے میں آج اُن کی نشیلی آنکھیں
 عہن بے ہوشی لذت میں بھی ہشوار رہا
 ادا سے دیکھ لو جانا رہے کلمہ دل کا
 آہی خیر ہو کچھ آج رنگِ بو قدیب ہے
 یہاں جو کوچہ قاتل سے کوئی پوچھیں گے
 وہ ظالم کرتے ہیں ہم پر تو لوگ کہتے ہیں
 ہزار فصلِ گل آئے جنوں ، وہ جوش کہاں ؟
 پوچھا صبا سے اس نے پتا کوئے یار کا
 بس اک نگاہ پہ تھہرا ہے فوصلہ دل کا
 تھوک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا
 سنا ہے لت کھا رستم میں قافلہ دل کا
 خدا برے سے نہ ڈالے معاملہ دل کا
 کھا شباب کے ہمراہ ولولہ دل کا
 دیکھو ، ذرا شعور ہمارے غبار کا !

دور آخر میں مجھ جام دیا ، اے ساقی ،
 بارے صد شکر کہ اب بھی میں تجھ یاد آیا
 سچ تو ہے حضرتِ انساں ہے عجب خود مطلب
 جب دیے رنجِ بختوں نے تو خدا یاد آیا

چار دن باہل بے کس نہ رہی بے کہنکے
کبھی گل چوں جو گھا باغ سے صہاد آیا

کسی نے بعد ہمارے نہ بادِ خوار کی _____ قہار دند رہے ' مہمکہ خراب رہا
دم کی آمد شد نے وقت نزع یہ دعویٰ دیا :
طائر جاں پر ' کمان نامہ بر ہونے لگا

بہجنا نہوں ہے گریۂ شہم دمِ سحر _____ لہریز ہو چکا ہے پھالا گلاب کا
پہری ' جگر سے داغِ محبتِ مٹانے کی _____ آیا قریب وقت غروبِ آفتاب کا
ہم نے احسانِ امروہی کا نہ برباد کیا _____ مرتے دم ملے طرفِ خانۂ صہاد کیا
گھا تری یاد کریں گے ' فلکِ نا انصاف ' _____ دلِ ناشاد ہمارا نہ کبھی شاد کیا
کفر و اسلام کے جھگڑوں سے چھوڑا ' صد شکر ! _____ قہرِ مذہب سے جلدوں نے مجھے آزاد کیا

صاف لکھ بہجنا جواب اُس نے مری تحریر کا
لو لفافہ کھل گھا سارا خط تہہ دیو کا

جان بیچ جائے جو دیدار دکھا دے اپنا _____ چشمِ بیمار سے سائل ہوں ' مسدھائی کا
اپنے بہمارِ محبت کا کیا خوب علاج _____ اسی ملے پر تمہیں دعویٰ ہے مسدھائی کا
مزلزل شوق میں گھا عشق نے کی راہزنی _____ قافلہ لوت لیا صبر و شکیبائی کا
گھا کیا نہ اپنے عشق پہ ہم کو غرور تھا _____ ہمت کا زاہدوں کی سراسر قصور تھا
لاکھ دلِ عشق میں ساقی کے سلجھالا لہکن _____ نشنۂ بادۂ اُلفت نے سلجھائے نہ دیا

ہاں عشقِ مجازی میں حقیقت پہ نظر ہے
بت پوچھتے ہیں کوئی پرستگارِ محبت ؟

✓ کردیا دل نے ہمیں مَرورِ الزامِ محبت _____ وہ ہمارے نہ ہوئے ہم ہوئے بدنامِ محبت

بے سبب یہ نہیں سرگوشیِ اربابِ فساد
عشقِ صادق کا مرنے فاش ہوا راز کچھ آج

دو روزہ عمر ' قلنس میں کٹی کہ ٹلشن میں
ہر ایک طرح سے ہوجائے گی بسر ' صہاد

ہے زامدوں کو مزد عبادت کی چشم داشت ' مہروی نظر ہے اُس کی کرم کی نگاہ پر

اِن واعظوں کی ضد سے ہم اب کی بہار میں
توزیں گے توبہ پھر مغال کی دکان پر

سارے ابر دند پیوستہ نہیں ' واعظو ' شراب
کرتے ہوں یہ گناہ بھی رحمت کے زور پر

✓ حسرتِ قتل میں مرتا ہوں تامل کیا ہے
یہ گناہی یہ نظر کچھ مری ' جلاہ ' نہ کر

واعظ ' ہے اِن میں صاحب کفایت ایک ایک
کہا پوچھتا ہے حال مریدان مہفروش ؟

اے دل ' کہاں سے لائے گی ایسا بھان کا رنگ بابل ' ہزار اُڑائے مری داستاں کا رنگ

نری بلندگی اور سیہ کار مجھ سا ! یہ سر اور ترے آستانے کے قابل !

آکے ہستی میں عدم سے کرچلے کہا کام ہم اپنے ذمے لے چلے اک مفت کا الزام ہم

ابتدائے محبتِ دل کی یہ نہ تھی ہم کو انتہا معلوم

نگاہ پاک سے روئے نگار دیکھتے ہوں بتوں میں قدرت پروردگار دیکھتے ہوں

قائل ' ہمارا جہتے جی ہوتا نہ فاصلہ پڑتی نہ تھری تیغ اکر درمیان میں

وہ مے پرست ہوں میں جہان خراب میں دیتا ہوں نقد ہوش ' بہائے شراب میں

اعجاز ہے کہ سحر ہے چشم سیاہ میں
سو سو مزے ہوں یار کی اک اک نگاہ میں

لکھی تھی کس مزے کی فقہری نصیب میں
بستر لگائے بوٹھے میں گرے حبیب میں

تہوڑا اگر وہ نہ تجھے خوب و زشت میں آنے جمال یار، نظر سنگ و خشت میں
 حوروں سے بھی ترا ہی پتلا پوچھتے پھرے اے کوئے یار، تجھ کو نہ بھولے بہشت میں
 حوروں کا ہو گھا ہے تماشا ترا شہود مہلا لگا ہوا ہے ریاض بہشت میں

تو ہی ملصاف ہو کچھ 'اے موسمِ پوری' لگے نوجوانی کے مزے یاد کروں یا نہ کروں
 دل جلانے کو مرا تہلندی ہوا انہوں انہوں بڑھ گئیں مے کی دکانیں تو ڈھٹائیں آؤں

دیرو حرم میں سروہ جھکائیں مصالح ہ جو سجدے کرنے والے ترے آستان کے ہیں
 پرچھو نہ کچھ خرابہ نشیدلوں کا حال زار ہم خاک میں ملائے ہوئے آسمان کے ہیں

بہارِ عہس ہوئی ہے خزاں، پوری ہے آنے کو؛
 جوانی روٹھی جاتی ہے، کہیں کس سے ملنے کو؟
 مری بے خان و مانی کچھ نہ پوچھو، میں وہ بلبل ہوں
 چگر دل میں گلوں کے تھوڑا ہوں اُشہانے کو

کہہ دوں ابھی، معاف جو میرا قصور ہو؛ کہئے کو آدمی ہو، مگر رشک حور ہو
 جان دینے میں تو، اے ہملفسو، پاک نہیں پاسِ انلا ہے کہ رسوائیِ صہاد نہ ہو
 لائی تو ہے آزا کے صہا کوئے یار سے دہرے نہ مہری خاک کی مٹی خراب ہو

کہتے ہیں طالبِ دید 'ایک نظر دیکھیں تو'
 ترچھی نظروں ہی سے دیکھوں وہ ادھر دیکھوں تو

گہر دل میں کر کے سہر دلِ داغدار دیکھ؛ اے جان، خانہِ باغ کی آکر بہار دیکھ
 ہے نورِ حسن، مانعِ دیدار روئے یار آنکھیں پکھ رہی ہیں: اے بار بار دیکھ

جان بھچھوں، نہوں پاتے ہیں خریدار ایسا
 سر بکف بہرتے ہیں، ملتا نہیں جلاؤ کوئی

لے کھا عشقِ بےجان پھیر کے، واعظ، سوئے دیر
 طرفِ کعبہ جو، اے قبلۂ حاجات، چلے

پروانہ بن کے صدقے ہو روئے نگار کے کہ دو یہ شمع سے سر محفل بکار کے

پہلو میں مجھ حزین کے تھکتا ہے رات دن

یارب ' یہ دل ہے یا کوئی پہورا بغل میں ہے ؟

چشم باطن ' اگر اعجاز تصور سے کہلے ' بند آنکھیں دھیں اور اُن کا نظارا کیجے

یمانہ اِن کا بھمانہ ہے ' بھمانہ یمانہ ہے ؛ خدائی سے نہالا اِن بتوں کا کارخانہ ہے

طلسم نوجوانی تھا عجب اِک وقت ' او پہری '

زمانہ خود فراموشی کا اپنی یاد کیا کیجے ؟

اُتھ کے اِس کوچے سے ' جاگر کہیں ہم کیا کرتے ؟

ہر ترا ہوتے ہوئے طوف حرم کیا کرتے ؟

جانتے تھے کہ سلامت نہ پھرے گا قاصد

خط میں تاکہد جواب اُن کو رقم کیا کرتے ؟

سراے دھر یہ دم لہلہے کا مقام نہیں قدم کے قافلے والو ' قدم ہڑمائے ہوئے !

" قلق " یہ قول ہزرگوں کا راستہ واللہ نہ آزمائے اُنہیں جو ہیں آزمائے ہوئے

کس چہن سے گزرتی ہے دندان مست کی ؛ سوتے ہیں خشت خم کو سرہانے دھرے ہوئے

واعظ کی ضد سے رندوں نے دسم جدید کی یعنی مہ صہام کی پہلی کو عہد کی

جذبت وصال یار ہے ' دوزخ فراق یار عاشق کو کیا فرض ہے نعيم و جھیم سے

آثار دھائی ہیں یہ دل ہول دھا ہے صہاد ستمگر مرے پر کھول دھا ہے

وہ ہم اسور قفس ہیں کہ مرے چھوٹیں گے ہمیں ہے ایک ' خزاں آئے یا بہار آئے

قصائد

واجد علی شاہ کی مدح میں

زبس ہے جوش یہ اِن روزوں خون رنگ بہار

تڑپتی ہے رگِ گل مثل نبض عاشق زار

بلے ہیں صاف ہم آواز گلو خاں عاشق
 شکست رنگ کی آواز ہے قرآنہ یہاں
 ہزار شکر کہ پھولوں سے آشیاں چھایا
 بہت دنوں میں ہر آئی مراد بلبل زار
 پڑے جو رنگ گل تر کا عکس دریا میں
 صدف میں دانہ مرجاں بلے درِ شہوار
 دکھا رہی ہے یہ وحدت میں کثرت آج بہار
 ریاض دعر میں ایک ایک گل بجا گوار
 رواں ہے آب گھر میں فقیر کی کشتی
 سحاب چود و سخا اس قدر ہے گوہر بار
 چمن چمن ہے زبس بارش سحاب کرم
 بلے ہیں گوہر خورش آب دانہ ہائے انار
 وہ نور کے ہیں معانی وہ نور کے مضمون
 ہر ایک مطلع عالی ہے مطلع انوار

باغیاں سمجھ فلک سے کوئی تارا توڑا
 ٹوٹ کر کوئی زمیں پر جو گرا برگ سمن
 چھپ گیا چاندنی کا پھول جو پتوں میں کوئی
 شبہہ کلتچوں کو ہوا صاف کہ ہے چاند گہن
 جوش گل ہے یہ چمن میں خس و خاشاک ہیں کم
 آشیاں پھولوں سے چھاتا ہے ہر اک مرغ چمن
 یہ ہوا چلتی ہے جان بخش عجب کہا ہے اگر
 مرغ تصویر بھی درواز کرے سوے چمن

مطلع

رخ پُر نور پہ مندیل کا دیکھو جوبن
 آسمانی اگر اٹلس ہے تو سورج کی کرن
 قطع ہو پتہ کے پے جامہ حریر شعلہ
 شمع قامت کو ہو درکار اگر پھراہن

شمع، فانوس سے جس طرح نظر آتی ہے
یوں عیاں ہوتی ہے پردہ شاک سے تلویر بدن
حُسنِ گلگونِ صبا دم کی لکھوں کیا تعریف
حور کا مکھڑا ہے کندے میں ہے طاؤس چمن
دمِ گلگشتِ ارادہ جو ہو تھکانے کا
صفتِ ہویے گل اُر جائے وہ دیوار چمن
وہ پری، زیبِ کمر دھنتی ہے ہر دم تلوار
تہنغِ ابرو سے کہیں اُس پہ سوا ہے جو بن

پلا دے ساقي مہوہں مجھے شرابِ طہور
کہ لب پہ جام کے ہے ”اِنَّ دينا لغفور“
جھکا دے گردن مہنا پرنگ شیشہ سے
دکھا دے جلوۂ مہتاب اُتھاکے جامِ بلور
کرم سے شہ کے کُدا بھی ہے شاہ کھلاتا
کہ پنانو توڑ کے بیٹھا تو ہو گیا تیسرور

سواری کی تعریف میں

اُتھاؤں عمانِ کمیتِ قلم
دکھاؤں سواری شہ کا حشم
سوے کربلا جب سواری چلی
گلستان کو بادِ بہاری چلی
چلا جب ہوادار مثلِ نسیم
گلِ باغِ جنت کی پھیلی شمیم
معطر دماغ ہوا ہو گیا
شگفتہ دل مدعا ہو گیا

عید کی تہنیت میں

خدیو جہاں، شاہ عالم پناہ
نریا وقار و فلک بارگاہ
بہارِ گلستانِ ہندوستان
جہاں پرورِ جانِ ہندوستان
مہمہ بوجِ شوکتِ در درجِ جاہ
گلِ باغِ اقبالِ خاقانِ کلاہ
فریدوں وقار و سلیمانِ حشم
ہمایوں سہر، فکر دارا و جم
درِ بصرِ بخشش، یمِ عدل و داد
خدا ترس، راحتِ رسان، خوشِ نہاد
حسن و متھن و ذہین و ذکی
ہمایوں سہر، فکر دارا و جم
”قلق“ تو کہاں مدحِ سلطان کہاں
بس اب روک لے اپنے دست و زبان
خداوندِ عالم سے کر التجا
خداوندِ عالم سے کر التجا

فلک پر درخشاں ہیں نامہر و ماہ زمیں پر ہیں ناچشمہ و بہر و چاہ
جہاں ہووے اور یہ جہاندار ہو خدا اِس کا یار و مددگار ہو
یہ سلطان عالم سلامت رہے
سلامت رہے ہا کرامت رہے

رباعی

یا رب، تری وہ فیض دساں ہے درگاہ پھرتا نہیں معروم کوئی حاجت خواہ
فہروں سے کروں سوال تیرے ہوتے لا حول و لا قوۃ الا باللہ

ضمیمہ

مہر مظفر حسین ”ضمیمہ“ یلگھوڑ ’ ضلع گڑگاواں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مہر قادر حسین [۱]، نواب آصف الدولہ کے خواجہ سرا میاں الماس کے ملازم تھے۔ نواب آصف الدولہ نے جب فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا تو مہر قادر حسین بھی مع اپنے صاحبزادے مہر ضمیمہ کے لکھنؤ چلے آئے۔ مہر ضمیمہ ”مصطفیٰ“ کے شاگرد تھے [۲]۔ تھوڑے دنوں میں کافی شہرت حاصل کر لی اور مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں مشہور ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اردو میں رزمیہ شاعری اور سراپا کے موجد ہیں۔ رزمیہ شاعری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کے مرثی میں موجود ہیں۔ مرثی کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

مرثی

صبح کا سماں

نکلا جو سر مہر گریبانِ سحر سے انجم کے گہر گر گئے دامانِ سحر سے
مہتاب کا رنگ آرزو کیا دامانِ سحر سے روشن ہوا صحرا رخ تابانِ سحر سے

جو وادیِ ایمن میں ہوا طور کا عالم
وہ خیمہ شہر میں تھا نور کا عالم

وہ نور کا توکا اُدھر اور صبح کا عالم گہنہ ماہ و انجم کی تجلی کا وہ کم کم
آنی تھی صدائے دہل صبح بھی پڑھم چلتی تھی نسیمِ سحری دشت میں تھم تھم
کرنا تھا چراغِ سحری عزمِ سفر کا
اور شورِ درختوں پہ وہ مرقانِ سحر کا

[۱]—سفن شعرا میں مہر قادر علی نام لکھا ہے۔

[۲]—تاریخ ادبِ اردو ج ۱ ص ۱۳۱۔

کہتا تھا کوئی جلد سکہلہ کو جگاؤ اور ہابڈ ہومار کے شانے کو ہلاؤ
 ھے قم سے پڑی خاک پہ ہانو کو جگاؤ ہاں بھہو، اب رخصت شہر کو آؤ
 حضرت کی سواری در خیمہ پہ کھڑی ھے
 ہشیار رھو رات تو کُل چار کھڑی ھے

حضرت مسلم کوٹے میں

شام کو داخل مسجد ہوئے وادلوگ تمام وقت مغرب کے کیا حضرت مسلم کو امام
 پھیرا مسلم نے جونہی بعد تشہد کے سلام پھر کے دیکھا، رھوں نوشخص کل اعلیٰ اسلام
 نکالے مسجد سے تو کیا کیا انھوں وسواس نہ تھا
 نو رفقوں کو بھی دیکھا تو کوئی پاس نہ تھا
 اِس طرح لشکر مسلم جو پراگندہ ہوا حاکم کوٹے نے پھیری یہ ملائی اُس جا
 گھر میں مسلم کو اگر کوئی جگہ دیوے گا صاحب خانہ ھے رہ مورد آفات و بلا [۱]
 ناکے روکے کلمے اور راہ گذر بلد ہوئے
 شہر میں مسلم مظلوم نظر بلد ہوئے
 تب کہا حضرت مسلم نے کہ اب جاؤں کہاں راہ کیا خبر یہ مسجد ھے حقہ مہماں
 بہو کے پیاسے شب تاریک میں تھے سرگرداں نا درخانہ طوعہ جونہی پہنچے گریاں
 اُس ضعیفہ کو یہ دیکھا کہ دعا کرتی ھے
 در یہ بیٹھی ہوئی کچھ ذکر خدا کرتی ھے
 براے مسلم کا بہت پیاس سے میں ہوں بہت تاب [۲] پانی دنیا میں پیاسے کو پلانا ھے ثواب
 شہر کا حال دگرگوں چرتھا [۳] اُتھر وہ شتاب آب شہر پر [۴] سے بد معجل بھرا ساغراب
 درتے درتے جو حوالے قدح آب کیا
 طوعہ نے طوعاً و کرہاً انھیں سیراب کیا
 تھک کے بیٹھے رھوں مسلم اُسی دیوار تلے کہا طوعہ نے کہ اُتھجا مرے دروازے سے
 ھے بہت شہر پر آشوب پھی قدر ھے مجھے رو کے اُس پھر ضعیفہ سے کہا مسلم نے

[۱]— نل یعنی نولکشوری نسخہ (صاحب خانہ وہ ہورے کا گرتار بلا) -

[۲]— نل (اُس سے مسلم نے کہا پیاس سے ہوں میرے بے تاب) -

[۳]— نل (تھا پہ) - [۴]— نل (مورد پانی) -

آج کی رات جو گھر میں مجھے [۱] مہمان کرے

یہ یقین ہے کہ محمد یہ وہ احسان کرے

کہا طوعہ نے کہ تو کون ہے اے مرد خدا کہا مسلم نے کہ شیوہر ہے بھائی مہرا
مجھ کو سب کہتے ہیں مسلم ہے علی مہرا چچا بہ نہایت تھا مجھے ابن علی [۲] نے بھوجا

کوئی دے گھر میں جگہ اس کا فقط طالب ہوں

میں ہی فرزند عقیل ابن ابی طالب ہوں

گریختی پانچو یہ طوعہ جو سنی یہ [۳] کُفتار اور لگی کہلے کہ شہزادۂ عالم یہ [۴] نثار

تھرا دیدار ہے ' فرزند نبی کا دیدار روزگتے پرتے ' لونڈی کا فدا ہے گھر بار

جان اپنی ترے قدسوں پہ میں قربان کروں

شوق سے آ مرے گھر میں تجھے مہمان کروں

[۱]۔ نل (مجھے گھر میں جو) - [۲]۔ نل (ہے مجھے سہما نئی) -

[۳]۔ نل (یہ سنی جب) - [۴]۔ نل (کے) -

خلیق

مہر مستحسن ”خلیق“ مہر حسن صاحبِ مثنوی ”بدر ملہر“ کے چہوتے
ہتے، دہلی کے رہنے والے مہر صہر کے معصر تھے۔ تعلیم و تربیت فوض آباد
اور لکھنؤ میں ہوئی۔ شوخ غلام ہمدانی ”مصطفیٰ“ سے مشورۃ سخن کرتے
تھے [۱]۔ ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام میں روانی کی شان، زبان کی حلاوت، مصداکات کی بلندی، طرزِ بہان
میں دل نشینی سب کچھ ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ انہوں نے مہر ”انہس“
کے لئے ایسا مہدان تیار کر دیا کہ اُس میں ان کا کوئی بھی مقابل نظر
نہیں آتا۔

سوانحی

امام حسین کا سفر

گھر سے جب بھر سفر سہد عالم نکلے سر جھکائے ہوئے ہا دیدۂ پرزم نکلے
خویس و فرزند کمر باندہ کے باہم نکلے روکے فرمایا کہ اِس شہر سے اب ہم نکلے
رات سے گریۂ زہرا کی صدا آتی ہے
دیکھو قسمت ہمیں کس دشت میں لے جاتی ہے
یہ بہان کر کے چلے واں سے شہ کون و مکں بے کسی چہرے پہ چھائی تھی تو آنسو تھے رواں
لوگ سر پھٹ کے اُس دم ہوئے ہیں گریہ کُلاں پہنچے تابوت کے جس طرح سے ہوشور و فغان
فل تھا، اے صہد ذی جاہ، خدا کو سونہا
اے مدیلے کے شہلشاہ، خدا کو سونہا

[۱]—کاشن بیطار، سخن شعرا، آبِ حیا و خدمتائے جاوید۔

[۲]—مقدمۂ روحِ انیس ص ۲۳۔

والی ملک، عجب حال سے کرتا ہے سفر پرکتھیں اُٹھ گئیں خالی ہوئے سادات کے گھر
 نہ وہ زیلت رہی مسجد کی نہ زیب منبر وعظ ہر جمعے کو اب کون کہے گا جاگر
 اِس طرح کالے کو مسجد میں اذان ہوئے گی
 اب جماعت کی نماز آہ کہاں ہوئے گی
 ذات شہپر تھی اک رحمت رب باری کون اب دکھ میں فریبوں کی کرے گا پیاری
 فیض کس گھر سے مدیلے میں رہے گا جاری پائیں گے کس کی دعاؤں سے شفا، آزادی
 شہر سے ساری الطاف خدا جانا ہے
 مشکلیں باقی ہوں اور عقدہ کشا جانا ہے
 راہ میں شاہ کو تھا رنجِ صعوبات سفر سختیاں ہجر کی صغریٰ پہ گذرتی تھیں ادھر
 تارے کن کن کے شب تار کو کرتی تھی سحر ”ہاے اماں“ تھا کبھی لب پہ کبھی ”ہاے پدر“
 اِس مصیبت سے اُسے ہجر کا دن گنتا تھا
 کہ پرستاروں کا دیکھ سے جگر پھٹتا تھا

انیس

مہر بہر علی "انوس" مہر مستحسن "خلعتی" کے بیٹے مہر حسن کے پوتے اور مہر صاحبک کے پڑ پوتے تھے۔ ان کے آپا و اجداد نے دہلی میں قہام کر لیا تھا، مگر اصلی باشندے ہرات کے تھے۔ جب دلی آجڑی تو ان کا خاندان فیض آباد چلا آیا۔ یہیں محلہ گلاب باڑی میں ۱۲۱۶ھ میں مہر انوس پیدا ہوئے۔ یہ آصف الدولہ کا زمانہ تھا۔ امجد علی شاہ کے زمانے میں ان کے والد نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ میں قہام کر لیا۔ مہر صاحب نے ابتدائی کتابیں فیض آباد میں مہر نجف علی سے پڑھیں اور پھر لکھنؤ میں مولوی جہد علی لکھنوی سے عربی کی تحصیل کی۔ فن شاعری بالخصوص موٹھے کوئی اور موٹھے خوانی میں ان کو اپنے والد سے تلمذ تھا۔ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ع) میں وفات پائی [۱]۔

مہر صاحب ایک ہی مضمون کو جملی بار باندھتے ہیں، نہا لطف حاصل ہوتا ہے۔ صبح، تلوار، گھوڑے کی تعریف، مہمان جنگ، سراپا کو بھسپوں جگہ نئے نئے انداز سے باندھا ہے۔ اس قسم کی شاعری کے لئے جن معنوی اور لفظی خوبصورتی کی ضرورت ہے وہ سب مہر صاحب کے کلام میں موجود ہیں۔

مراثی

مناجات

یارب، چمن نظم کو گلزار ارم کر اے ابو کرم، خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مہدأ ہے توجہ کوئی دم کر کمنام کو اعجاز بہانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلہم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

[۱] —خطائے جاوید و مقدمہ روح انیس و تاریخ ادب اردو ج ۱، ص ۳۱۷۔

اس باغ میں چشمے ہوں ترے نبض کے جاری بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل پرومند ہے یا حضرت باری پہل ہم کو بھی مل جائے دیانت کا ہماری

وہ گل ہوں علانیات ، چمن طبع نکو کو

بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پہلوں کی ہو کو

فواص طبعیت کو عطا کر وہ لالی ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی

ایک ایک لڑی نظم ٹریا سے ہو عالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی

سب ہوں دُر پکتا نہ علاقہ ہو کسی سے

نذر اُن کی یہ ہوں گے چلبھیں رشتہ ہے نبی سے

بہر دے دُر مقصود سے اِس دُرچ دماں کو دریائے معانی سے بہتا طبع رواں کو

آگاہ کو انداز [۱] تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو

تعبسوں کا سموات سے فل تا بہ فلک ہو

ہر گوش بدلے کان ملاححت وہ نمک ہو

تعریف مہوں چشمے کو سلسلہ سے ملا دوں نظرے کو جودوں تاب [۲] تو گوہر سے ملا دوں

دُرے کی چمک مہر مہر سے ملا دوں خاروں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں

گلدستہ معلیٰ کو نئے قہلگ سے باندھوں

اک پہول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دم تھویر کہنچ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر

دیکھ نہ کبھی صحبت انجم ، فلک پیو ہو جائے ہوا ، بزم سلیمان کی بھی توقیر

یوں تخت حسیلان معانی اُتر آئے

ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

تعلیٰ

اے شمع قلم ، روشنی طور دکھا دے اے لوح ، تجلی رخ حور دکھا دے

اے بکھر طبعیت ، گہر نور دکھا دے اے شاہد معلیٰ ، رخ مستور دکھا دے

بزم قم شہید میں وہ جلوہ گری ہو

خورشید جہان تاب چراغ سحری ہو

[۱]—”نہ“ سے نول کشور پریس کا اور ”ن“ سے نظامی پریس ہدایوں کا مطبوعہ نسخہ

مراد ہے - نہ (آغاز) - [۲]—نہ (آب) -

اے طبعِ رسا ، خلد کا گلزار دکھا دے اے باغِ سخن ، گلشن بے خار دکھا دے
 اے شمعِ زباں ، لمعۂ انوار دکھا دے اے حُسنِ بھان ، خروبیِ کُنعار دکھا دے
 لرزائلِ ہر قدمِ خامۂ إعجازِ رقم کا
 ہاں تھغِ زباں ، آج تو کر کلامِ قلم کا
 مانی کو بھی جھرت ہو وہ نقشا نظر آئے بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے سب بزم کو حوِدر کا سراپا نظر آئے
 مہتاب تو کیا ہے ، رخِ خورشید بھی فق ہو
 جو بند ہو ، تصویرِ تجلی کا ورق ہو

خاموش ، زباں ، دھوی بہتا نہیں اچھا ہو جس میں تکبرِ سخن ایسا نہیں اچھا
 بس بس یہ فرور اور یہ دعوا نہیں اچھا آپ اپنی ثنا ، واہ ، یہ شیوا نہیں اچھا
 کم مایہ کمال ایلنا جتنا دیتا ہے اکثر
 جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے اکثر
 خورشید کو کچھ حاجت زہور نہیں زہار پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار
 اعلیٰ ہے اگر جنس تو کیا حاجت اظہار خوردِ مشک ہو خوشبو ، نہ کہ خوشبو کہے عطار
 جو بد ہے سو بد ہے ، جو نکو ہے وہ نکو ہے
 چھلنے کی نہیں آپ ، اگر عود میں ہو ہے

ابنِ مظاهر کی جنگ

یہ کہتے ہی جوالں کہا شہدیز سبکداز [۱]
 آرکر صفِ اعدا پہ گھوڑا صورتِ شہباز
 رنگِ رخ افواجِ ستم کر کہا پرواز
 گھوڑا تھا مگر شہر کا تھا جست میں انداز [۲]
 اک دم میں گھا پار ، سواروں کے پرے سے
 موکوِ ادھر آیا تو کرے خود سروں کے
 چمکی عجب انداز سے اُس شہر کی قلووار
 گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرر بار

تہالوں سے بدن اچھے چھپاتے [۱] تھے سہہ کار،
 اُس دست زبر دست کا رکنا تھا کوئی وار ؟
 کچھ امن نہ تھا خون و زرہ سے ، تن و سر کو
 سیلے سے گذر جانی تھی دو کر کے سپر کو
 کاتے ہوئے پھل برچھدوں کے ، دن میں پڑے تھے
 سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
 چھاپا تھا ہراس اُن پہ ، ہمیشہ جو لڑے تھے
 اُنکھیں وہ چراتے تھے ، بہادر جو بڑے تھے
 دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
 اُس تیغ نے تھغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا
 تھے برچھدوں والوں کے پڑے بے سر و بے پا
 برجھی تھی کہیں ، ہاتھ کہیں اور کہیں پھلتا
 تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
 بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
 دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدو میں
 مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں
 چلاتے تھے اعدا : کوئی بلتی نہیں تدبیر
 دم بلند ہیں ، ماریں کسے تلوار ، کسے ٹھہر
 جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
 پھر جانی ہے اُنکھوں کے قلعے موت کی تصویر
 کہا ہوتا ہے تہالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
 بجلی بھی کہوں ابر کے روکے سے رکی ہے
 بھکار تھے جلاظوں کے نیڑے دم پھکار
 تلوار سے ملتی نہ تھی [۲] مہلت کہ چلے وار
 حلقہ کئے اُس شہر کے درپے تھے کماندار
 چلے سے مگر جس نے ملایا لبِ سونار

[۱]—نل (چھپائے) -

[۲]—نل (تھی نہ) -

شہباز سا سر پر فرس تھو قدم تھا
نکلا بھی [۱] نہ تھا تیر ' کہاں سے کہ قلم تھا

حر کی جنگ

کئی حملے کئے پیہم جو کمانداروں پر
چل گئے تیر ملاہمت کے چغا کاروں [۲] پر
چتکھیاں سب کی دھڑی رہ گئیں سو فاروں پر
رخ پھرا تھا کہ گری برق ستمکاروں پر
چل کے خرمین ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھوڑنے کو بھی گوشہ نہ ملا
تھوڑے فوج ستمگار تھے دیکھہ بھالے
دم میں اُس شیر نہستماں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جہان لڑائے ہوئے لڑنے والے
آفت مرگ کو سر سے کوئی کھوں کر ڈالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بلد سب ' ناخن شمشیر سے ' کھل جاتے تھے
الف گرز کو گر دیتے تھے [۳] ہر ضرب میں دال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی برچھی کی انی تھی ' تو کبھی تیر کی بھال
کبھی تلوار ' کبھی خلدجر برائے ' کبھی [۴] ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو قذا کرتی تھی
دمبدم فوج ستمگر بھی ٹلنا کرتی تھی
شور تھا ' آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
جل بجھے [۵] کشتی تین خون میں طوفانی ہے

[۱]—نڈ (ہی) - [۲]—ر ' سے "روح انیس" مراد ہے - (خطا کاروں) -

[۳]—ر (گردیتی تھی) - [۴]— (کبھی کی بجائے ہر جگہ پر "کہیں" ہے) -

[۵]—نڈ (بجھی) -

ضرب میں فرد ہے ' یہ زور میں لاثانی ہے
 کہتا تھا حر: یہ فقط قوت ایمانی ہے
 زور تھا مجھ میں نہ ایسا ' نہ وفا کی طاقت
 سب ہے یہ سبط پھمور کی دعا کی طاق
 کہ کے یہ ' فوج میں پھر تشنہ چکر دُوب گیا
 وردطہ قانزم آفت میں گھر دُوب گیا
 لشکر شام کے بادل میں قمر دُوب گیا
 کشمکش تھی کہ برق میں گل تر دُوب گیا
 تھا کبھی شہر سا بیہوا ہوا شمشیروں میں
 کبھی نہروں کے نوستیاں میں ' کبھی تھروں میں

حضرت عباس کی جنگ

فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا
 ہاتھ ہوا دھوار تو کارے پہ جو ڈالا
 پہالوں کو اُدھر بڑھ کے سواروں نے سلجھالا
 بجلی جو گری ہوگیا لشکر تہ و بالا
 اُس شان سے غازی صف چلتا میں آیا
 قل تھا کہ اسد لشکر روپاہ میں آیا
 دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اکبار
 عالم کو قہامت کے نظر اگلے آوار
 ہلنے لگے اشجار لرزے لگے کہسار
 صحرا سے گریزاں ہوئے اُردر طرف فار
 جن کہتے تھے: خالق ہمیں اِس آن بچائے
 چلاتی تھیں پرپان کہ خدا جان بچائے

جس صف پہ چلی تھغ وہ بے سر نظر آئی
 دیتی یہ ہواک لاش توپ کر [انظوائی
 جب وار کھا قوت چھدر نظر آئی
 گہ تلگ کے نہچے ' کبھی سر پر نظر آئی
 قل ہوتا تھا ' کرتی تھی ذویارا جو سپر کو:
 دو کر دیا انگشت سے احمد نے قمر کو
 تھغوں کونہاموں سے نکلنے نہیں دیتی
 اِس فوج کا اک وار بھی چلنے نہیں دیتی
 گھوڑوں پہ سواروں کو سلجھلے نہیں دیتی
 انداز لوائی کا بدلنے نہیں دیتی
 تلوار نہیں برق اجل ہم یہ چھکی ہے
 ڈھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رُکی ہے

مغفر کو جو کاٹا تو جبہیں سے نکل آئی سر پر جو پتلی خانہ زیب سے نکل آئی
 بچلی سی صف لشکر کھن سے نکل آئی کھ دُوب گئی گاہ زمہن سے نکل آئی
 قل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہہن دکتی
 یہ ضرب تو چہریل کے پر سے نہہن دکتی

سولہ مہن در آئی تو نئی چال سے نکلی پہنچے کو قلم کرتی ہوئی دھال سے نکلی
 دوی جو زرہ مہن تو عجب حال سے نکلی مچھلی سی تو پتی ہوئی اک جال سے نکلی
 چار اُٹے کو آٹھ کھا کات نے اُس کے
 بگھلا دی ہراک کشتی تن گھات نے اُس کے

حضرت عباس پانی لے کر آتے ہیں

لوتا ہوا اعدا سے وہ صندل نکل آیا بادل کو ہٹا کر مہ انور نکل آیا
 سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا دریائے شجاعت کا شہانور نکل آیا
 در سے کسی روپاہ نے ضیغم کو نہ روکا ؛
 تلوار اُٹھا کر کہا : کہوں ہم کو نہ روکا ؟

حضرت عباس کا سراپا

چترن تو قہامت کی ہے تھور ہوں غضب کے
 اک حملے مہن سر تن سے اُتر جائیں گے سب کے
 فرزند ہیں یہ فتور شجاعان عرب کے
 شہر ان کے ہی تھور سے نکل جاتا ہے دب کے
 بچے کبھی اُس گھر کے نہہن دن سے تِلے [ا] ہوں
 یہ سب اسد اللہ کے بیٹے مہن پلے ہوں

ہر شہر مہن پیشانی انور کا ہے شہرا
 سجدے کا نشان بھی ہے تکلف ہے یہ دھرا
 گویا ورق ماہ یہ ہے مہر کا مہرا
 دیکھو سر خورشید پہ طالع ہوا زہرا

اِس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
 موسیٰ نے یہ جلوہ دیدیضا میں نہ دیکھا
 غصے سے جو تھوڑی کو چروائے ہے یہ چروا
 گویا کہ ہیں دو ناخن شہر ابروے خمدار
 بے جنگ ہوئی جاتی ہے گھائل صف کُفار
 ہل جاتی [۱] ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
 اِس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
 یہ کلت کبھی توغ دو دستی میں نہیں ہے
 گردوں یہ مہ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
 شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
 دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
 یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
 اک ہیئت کے یہ مصرع برجستہ ہیں دونوں
 ظاہر میں کشیدہ ہیں یہ دلچستہ ہیں دونوں
 کہیے مہ نو ان کو تو یہ دو نہیں اُس میں
 مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اُس میں
 ہے اک گل خورشید سو خوشبو نہیں اُس میں
 آنکھیں نہیں، پلکیں نہیں، ابرو نہیں اُس میں
 ہو ہے گل تر میں، یہ خط و خال کہاں ہے
 قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

خط ہے جو شب قدر تو رخ صبح ارم ہے
 کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
 توصیف میں عاجز دم تصویر قلم ہے
 دیکھو خط ریحان ورق زر پہ رقم ہے
 پہلو میں سحر کو شب دیحور لہے ہے
 ظلمات کو آغوش میں یا حور لہے ہے

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
 یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
 رنگ لب نازک گل تر نے نہیں پایا
 نور اس دُر دندان کا گہر نے نہیں پایا
 باہم تو ہیں ، دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
 وہ لعل کے تکرے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

امام حسین علیہ السلام کا سراپا

ایک شور تھا کہ آج زمہن ، آسمان ہے صحرائے کربلا نہیں ، دنیا کی جان ہے
 آفر زمہن یہ چاند یہ خالق کی شان ہے رضوان نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
 پرتو ہے یہ رخ خلفِ بو تراب کا
 دیکھو ، الٹ گہا ہے ورقِ آفتاب کا
 نقشِ سم فرس کی ضیا پر کرو خہال اختر کہیں ہے ، بدر کہیں ہے ، کہیں ہلال
 ہے درپہر کے بعد سدا شمس کو زوال یاں ہے وہی عروج ، زہ حشمت و جلال
 پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
 گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر
 آٹھلے جبیں سے صفا آشکار ہے ابرو سے ماہِ رخ کی [۱] ضیا آشکار ہے
 چشمِ گہو فشاں سے حوا آشکار ہے رخ سے جلالِ شہر خدا آشکار ہے
 دستم بھی چڑھ سکے گا نہ ملے پر دلہر کے
 چہرہ تو حور کا ہے یہ تہور ہیں شہر کے
 نور جہنم نے جاوۂ قدرت دکھا دیا چہرے نے حسن صبحِ صباحت دکھا دیا
 ابرو نے رنگ تیغِ شجاعت دکھا دیا قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
 جنگل کو بوے کوچۂ گھسو بسا کئی ،
 کھڑوں سے نکھت گل فردوس آ گئی
 ابرو نہیں ہے [۲] چشمِ مروت نہاد پر نوں لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے ہاد پر
 دید اسکی فرضِ عہد ہے خوہش اعتقاد پر قرباں ہے صبح و شام بھاض و سواد پر
 سادہ نگہیں حدید [۳] کا دُر نجف میں ہے ؛
 پتلی نہ چاندی ، دُر مکلوں صدف میں ہے

حضرت علی اکبر کی جنگ

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
 ڈھالیں تو دھویں ہاتھوں میں ' سر اڑ گئے تن سے
 طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
 آگے تھا ہرن شہر سے ' اور شہر ہرن سے

فل تھا : یہ جری مثل یداللہ لڑے گا
 تر ہوگی زمیں خوں سے وہ دن آج پڑے گا [۱]
 تلوار تھی جرار کی ' یا قہر خدا تھی :
 سر تھا تو الگ تھا ' جو کمر تھی تو جدا تھی

بجلی جو ادھر تھی ' تو ادھر سیل فدا تھی ؛
 تلوار تھی یوں ' سر پہ جب آئی تو قضا تھی
 بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اُس کی
 چٹاٹا جو لہو اور برہن ہڑھ گئی اُس کی
 جس صف پہ چلی خون میں غلطان کھا اُس کو
 مجتمع تھا جدھر ' دم میں پریشاں کیا اُس کو

جو آگے ہڑھا فول سے ' بے جاں کھا اُس کو
 بخششی جسے جاں بے بدۃٗ إحسان کھا اُس کو
 بے سر تھا ' ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
 سارا اُسے ' دیلدار نہ تھا نسل میں جس کی

کیا ہاتھ تھا ' کیا تیغ تھی ' کیا ہمت عالی :
 دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی

جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آئی تھی کالی
 بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی

ملتا تھا نشان دن میں صفوں کا نہ پروں کا
 تھا شور کہ مہلہ آج ہرستا ہے سروں کا

کھا حرب تھی قربان جگر گوشہٗ شہید
 نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تہر

آیا جو کہاں لے کے کہوں سے کوئی بے پھر
 ٹھوس تھا ، نہ چلہ تھا ، نہ حلقہ تھا ، نہ زہ گہر
 جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا
 قبضے سے کہاں ، ہاتھ کلائی سے جدا تھا

کت کت کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر
 برجہی پہ نہ پھل تھا ، نہ کوئی پھول سپر پر
 پھر جانی تھی گردن پہ کبھی ، کاہ جگر پر
 مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
 نکلی جو کمر سے تو چلی خانہ زین پر
 زین سے تھی جو [۱] مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گہر آئی
 پھر تیغ نے بھجلی صفِ اعدا پہ کدائی
 دعویٰ تھا مگر بھول گئی [۲] ہرزہ در آئی
 چلاتی تھی [۳] بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
 ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے
 یہ مرگ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
 یہ شہر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
 شہباز اجل صود پہ پر کھول کے آیا
 اُڑتا ہوا سر بھیج میں اُس غول کے آیا
 حق جس کی طرف ہے وہ ازہر دست رہا ہے
 سچ ہے کہ بڑے بول کا سر دست رہا ہے

سو سو کو ہر [۴] اک ضرب میں کتے نہیں دیکھا
 یوں غوطہ میں شہروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
 بڑھ کر کبھی جہاز کو ہٹتے نہیں دیکھا
 گھڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا

جب ہاتھ اُٹھا ' ہرچھوٹے تھراٹا [۱] ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

حریف سے خطاب

اکبر نے صدا دی کہ تھہر سامنے آ کر
کیوں ملے کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
مردانہ دکھا وار حریفانہ وٹا [۲] کر
دیکھ ' اپنے رسالے کے جوانوں سے چھا کر
ناداں ہے تمہڑ حق و باطل نہیں رکھتا
تو ایسے [۳] تین توہں پہ کچھ دل نہیں رکھتا
یہ خوف ' کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے
بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے
پلٹے سے نہ شہروں کے شکار آ کے نکل جائے
یکجسا صفت سایہ آہو نہیں تھمتا
سہماں تھہر جانا ہے پر تو نہیں تھمتا
تجھ سا نو جوان لشکر بدخو میں نہیں ہے
ہاں ' زور شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے
فوجیں میں اُدھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
ہم ایک میں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
کیا تجھ کو کہیں گے ' جو صفیں ہاندھ کھڑے ہیں
نہڑے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا
کیوں؟ میں نے کہاں چھین لی اور زور تمہارا
اک ضرب پڑی [۴] تھی ' کہ ہوا گرز دو پارا
لڑنے پہ تیرا ہے ترا او ستم آرا
آ تھغ جوانان خوہں اقبال کے اوپر [۵]
چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے ملے پر

حریف کا حملہ

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب میں [۱] وہ پل آیا
اکبر نے کہا ' کہ مقام اجل آیا ؛
بارے شجر جرأت و ہمت میں پھل آیا ؛
بس روک لے پودا ؛ کہ فرس ملے کے بل آیا ؛
یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے
گر پڑتا ہے جامدی ' تری کچھ اصل نہیں ہے
تلواریں کھینچیں برجہاں چمکوں علم اُٹھے
کہوڑوں کے [۲] تگ و پو میں برابر قدم اُٹھے
نظارے کو [۳] گردوں پہ ملائک بہم اُٹھے
گر گر کے ادھر خاک پہ شاہ اُم اُٹھے
اکبر جو مقابل ہوئے اُس فصال و مصل کے
شہر۔۔۔ قریب آ گئے بھت۔۔۔ابی دل کے

حضرت علی اکبر فوج میں گھسٹے ہیں

تسلیم کی اور اسپ صبا دم کو آرا کر پھر قلوب گھا فوج میں وہ شیر دل اور
یاں بیٹھے گئے تھام کے دل سبط پیغمبر واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہ انور
تھروں کی جو بوچھاڑ ہوئی چھن گیا سہلہ
دوڑن ہوئے اٹلے کہ زور بن گیا سہلہ
تکڑے ہوئے تھغوسے ' یہ ہمت کونہ ہمارے متجروح نے اُسی نفر اُس فوج کے مارے
صحترا میں کبھی تھے کبھی دریائے کنارے پھر دیکھ گئے باپ کو پھر دن کو سدھارے
روئے [۴] نہ پدر ' قتل ہو لخت جگر ایسا !
باپ ایسا ہو صابر ' تو جری ہو پسر ایسا

حضرت علی اکبر زخمی ہوتے ہیں

لڑتے تھے کہ پھشانی انور پہ لکا تھر
سب خوں سے بھری احمد مختار کی تصویر

لکھا ہے کہیں میں تھا کوئی ظالم ہے پھر
 برجھی جو لگی سہلے میں ، حالت ہوئی تغیر
 اللہ دے [۱] شجاعت ، کہ نہ ابرو پہ پل آیا
 پھل اُس نے جو کھلچا تو کھلچا نکل آیا

تکڑے جو بہے خوں کے تدریروں میں جگر کے
 غصہ ہو گئے سر گردن دھوار پہ دھڑکے
 نزدیک سے پھر وار چلے تھغ و تبر کے
 سب پسلیاں کت کت گئیں ، تکڑے ہوئے سر کے
 تلواریں تھیں ، یا آپ تھے ، یا سر پہ خدا تھا
 جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

حضرت علی اکبر خاک پر زخمی پڑے ہیں
 اٹھارواں یہ سال ، یہ غربت ، یہ جوانی ؛
 یہ شان ، یہ انبال ، یہ شوکت ، یہ جوانی ؛
 دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت ، یہ جوانی ؛
 یوں خاک ہوئی ، ہائے ، یہ صورت ، یہ جوانی ؛
 کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی سے ؟
 گویا کہ حسوں آج بچھوڑنا ہے نبی سے
 لے آئی جو بھتابی دل لاش پسر پر ،
 جھکے میں ، نظر پہلے پڑی زخم جگر پر
 اک تیسر لکا قلب شہ جن و بشر پر
 سہلے پہ کبھی ہاتھ کو مارا ، کبھی سر پر
 اوپر کے دم اُس شہر کو بھرتے ہوئے دیکھا ،
 باپا نے جوان بھگتے کو مرتے ہوئے دیکھا
 ہونٹوں پہ زباں ، رخ پہ هرق ، خاک پہ گیسو ،
 پتھرانی ہوئی آنکھ ، کتے [۲] تیغوں سے ابرو

گردن تو کچ اور حلق پہ اک تہر سہ پہلو
 چہرے پہ لہو گلوں پہ دھلکے ہوئے آنسو
 یہ زہر لب آواز کہ آقا نہیں آئے
 نزدیک اجل آگئی ، بابا نہیں آئے
 اے درد جگر ، تہم کہ شہ بکرو بر آ لیں
 اے جان ، نہ گھبرا ، شہ جن و بشر آ لیں
 اے روح ، توقف ، شہ والا ادھر آ لیں
 اے موت ، تہہر جا ، پدر آ لیں پدر آ لیں :
 ارمانِ دل زار پسر ہووے مہن نکلے
 حسرت ہے کہ دم باپ کے آفوش مہن ، نکلے
 چلائے شہ دیں ، علی اکبر ، پدر آیا
 اڈھو مرے پیارے ، مرے دلبر ، پدر آیا
 تم ڈھونڈتے تھے ، اے مہ انور ، پدر آیا
 نا شاد پدر ، بھکس و بے پدر پدر آیا
 کچھ دل کی کہو ، بات کرو ، ہووے مہن آؤ
 صدقے پدر ، آؤ ، مرے آفوش مہن آؤ
 مہن کھولے ہو کہوں ؟ تہر کو گردن سے نکالوں ؟
 کر درد نہ ہو ، ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں
 گرتا ہے پہاڑ اِس کو مہن کس طرح سے قالوں
 مہرتے اُسے دیکھوں جسے آفوش مہن پالوں
 بہ بہ کے لہو مہن جگر آنا ہے تمہارا
 سہنے سے کلہجیا نظر آنا ہے تمہارا

منظر

وہ سرخی شفی کی ادھر چرخ پر بہار ، وہ بارو درخت ، وہ صحرا ، وہ سہزاد
 شہنم کے وہ گلوں پہ گہرے آیدار پھولوں سے سب پہرا ہوا دامن کوہسار
 نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شہم کے
 آتے تھے سرد سرد وہ چہرے کے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمیں رشک آسمان تھا دور دور تک شب مہتاب کا سماں
 چھلکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھاکساں نہر فرات پیچ میں تھی مثل کہکشاں
 سر سبز جو درخت تھا وہ فخل طور تھا
 صحرانے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا
 وہ سر بلند خیمہ زنگاری امام جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
 کم تھا نہ اس کا خانہ کعبہ سے احترام قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
 جلوہ تھا اُس میں بُرجِ امامت کے ماہ کا
 دریاں تھا جبرئیل اُسی بارگاہ کا

صبح

طے کر چکا جو منزل شب کاروان صبح ہوئے لگا افق سے ہویدا نشان صبح
 گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذان صبح
 پنہاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا
 عالم تمام مطالع انوار ہو گیا
 خورشید نے جو رخ سے اُٹھایا [۱] نقاب شب در کھل گیا سحر کا، ہوا یں دیاب شب
 انجم کی فرد فرد سے لے کر حساب شب دفتر کشائے صبح نے، اُلٹی کتاب شب
 گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
 سلطان قرب و شوق کا نظم و نسق ہوا
 پہنچا جو مہر مہر سے فرمان ہزل شب گردوں پہ عاملان سحر کا ہوا نصب
 مژبہ آسمان مع دفتر ہوا طلب پس جابجا ہے اُنہنگی انجم کی فوج سب [۲]
 نا صبح فرد فرد میں بھکانگی ہوئی
 برخاست کی، چراغوں کو [۳] پروانگی ہوئی
 یوں گلشن فلک سے ستارے ہوئے رواں چن لے چمن سے پھولون کو جس طرح باغبان
 آئی بہار میں گل مہتاب پر خزاں مرجھا کے کرکلمے [۴] اُذر و شاخ کہکشاں
 دکھلائے طور باد سحر نے سوسم کے
 پڑمردہ ہو کے رہ گئے غلچے نجوم کے

چھلدا وہ مانتاب کا ، وہ صبح کا ظہور یاد خدا میں زمزمہ پردازی طہور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا ، وہ فضا ، وہ نور خلگی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انسان زمیں پہ معور ، ملک آسمان پر :
جاری تھا ، ذکر قدرت حق ، ہر زبان پر

وہ صبح اور وہ چھانوَ ستاروں کی اور وہ نور دیکھ تو غصہ کرے ارنی گوے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طور
گلشن خجیل تھے وادی مہذبو اساس سے
چنگل تھا سب ہوا پھلوں کی باس سے
تھلکتی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا ، پھولوں کی وہ مہک ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجیل تھے گوہر پکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور ، اور وہ دشت سہانا سا ، وہ فضا ، ڈراچ و کبک و تپہ و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل ، وہ نالۂ مرفان خوشنوا ، سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوہ تھے
تھالے بھی نخل کے سجد گل فروش تھے
وہ دشت وہ نسوم کے جھونکے ، وہ سبزۂ زار پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے ابدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہر [۱] گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بہر دیے تھے گتورے گلاب کے
وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کوکو کا شور نالۂ حق سرۂ کی دھوم
سمیعان ربنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی مدح [۲]
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح [۳]

علم

کہلا جو پھرہرے کو علمدار جری نے لوٹے گل فردوس نسیم سحری نے

تاروں کو اُتارا فلک نہلوٹری نے درچم جو کھلا ' کھول دیے ہال پری نے
 عہسی نے پکارا کہ نڈار اُس کے حشم کے
 خورشید نے ملکہ رکھ دیا پلنچے پہ علم کے

تلوار

افلاک پہ چمکی کبھی ' سر پر کبھی اُئی کوندی کبھی چوہن پہ ' سہر پر کبھی اُئی
 کہ پڑگئی سیلے پہ ' جگر پر کبھی اُئی تڑپی کبھی پہلو پہ ' کمر پر کبھی اُئی
 طے کر کے پھری ' کون سا قصہ تھا فرس کا
 باقی تھا جو کچھ کات ' وہ حصہ تھا فرس کا

بے پائو جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی اُئی نڈی اُدھر اک خون کی اُبلتی ہوئی اُئی
 دم بھر مہن وہ سو رنگ بدلتی ہوئی اُئی پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی اُئی
 دھرا تھا بدن ' رنگ زمرہ سے ہرا تھا
 جوہر نہ [۱] کہو ' پھٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پریوش اُسے کہنا معشوق بنی سرخ لباس اُس نے جو پہنا
 اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے دھنا جوہر تھکے پہلے تھی دلیں پھولوں کا کھنا
 سبب چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
 دعتی تھی وہ شہر سے دولہا کی بغل میں

سر پہلے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہنچے قلم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
 بجلی کی توپ شعلہ فشانے کو نہ پہنچے خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
 دوزخ کے زبانوں سے بھی اُنچ اُس کی بری تھی
 برچھی تھی ' کتاری تھی ' سروہی تھی ' چھری تھی

موجود بھی ' ہر قول میں اور سب سے جدا بھی دم خم بھی ' لگات بھی ' صفائی بھی ' ادابی
 اک کھات پہ تھی ' آگ بھی ' پانی بھی ' ہوا بھی امرت بھی ' ہلاہل بھی ' مسوہا بھی ' قضا بھی
 کہا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
 موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اُس کا

تھروں پہ گئی ہرچھوڑوں والوں کی طرف سے
 جا پہنچی کمانداروں پہ بہالوں کی طرف سے
 پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
 ملتے تھنوں کی جانب کیا دھالوں کی طرف سے
 بس ٹوگیا دفعت نظرِ فام و نسب کا
 لاکھوں تھے تو کیا ، دیکھ لیا جائزہ سب کا
 پہنچی جو سہر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
 ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
 شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
 تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
 اعضاء بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
 قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غصہ کے
 چار آئنے والوں کو نہ تھا جنگ سے چار [۱]
 چو رنگ تھے سہلے تو کھینچا تھا دو پارا
 کہتے تھے زڑے پوہی نہیں جنگ کا یارا
 بیچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
 جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
 اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے

دَر دَر کے قد راست سنانوں نے جھکائے
 دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
 ہمت ہمت کے علم دن میں جوانوں نے جھکائے
 سر خاک پہ کر گر کے نشانوں نے جھکائے
 قل تھا کہ پٹا اب ہمیں ، یا شاہِ زماں ، دو
 پھیلانے تھے دامن کو پھرہرے کہ اماں دو

بجلی سی کوند کر صف اعدا پہ جب کری
 ہر سمت قل ہوا کہ وہ برق غصہ کری

ہودم تھا ، جس پہ تیغ شہ تشلہ لب گری
 کھلتا نہ تھا ، کب اُٹھ گئی اور سر پہ کب گری
 چل پھر سے اُس کی فوج ستم دردناک تھی
 گردوں پہ تھی کبھی ، تو کبھی زہر خاک تھی
 دو لاکھ پر وہ تیغ ہستی چلی گئی
 ناگن کی طرح فوج کو دستی چلی گئی
 بجلی سی دونوں پاگوں پہ دستی چلی گئی
 دم مہں جلا کے خرمن ہستی چلی گئی
 زخموں کو اُس نے آتش سوزاں بدلا دیا
 ہر نخل قد کو سرو چراغاں بدلا دیا
 اُس تیغ کی برہں سے زبردست ، زیر تھے
 روپاہ بن گئے تھے وہ ، دل جن کے شیر تھے
 گوشوں مہں چھپتے پھرتے تھے جتلے دلاہر تھے
 تودے تھے سرکشوں کے ، کمانوں کے ڈھہر تھے
 غل تھا کہ اے نبی کے نواسے پلاہ دے
 اے دو شہانہ روز کے پواسے پلاہ دے

آفت تھی ، قیامت تھی ، چھلاوا تھی ، بلا تھی
 بجلی تھی ، کٹاری تھی ، قہرولی تھی ، قضا تھی
 روکے کوئی کیا ، بازہ نہ تھی ، سہل فلا تھی
 پشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
 بجلی کو بھی توپا دیا تھا جلوہ گری نے
 تاب اُس کی نہ تھی ، مانگ نکالی تھی پوری نے
 کت جاتے تھے مدہ دیکھ کے سب تیغ زن ، اُس کا
 قامت مہں کچی ، چال مہں وہ بانکھن اُس کا
 تاریک زمہں اور وہ تاباں بدن اُس کا
 چلتی تھی سروں پر یہ نہا تھا چلن اُس کا
 ہے صاحب جوہر کا معتل ، چرخ بریں پر
 دکھا ہے مہ نو نے کبھی پانو زمہں پر

فل تھا یہ کسی تھغ میں چم خم نہیں دیکھا
 بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
 لشکر کا لہر پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
 ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
 پھر کیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
 اس تھغ کے کاتے میں کہیں لہر نہیں ہے

جقاب امام کی تلوار

کہا کیا چمک دکھائی تھی سر کات کات کے
 نغمی تھی کیا تلوں سے زمیں پات پات کے
 پانی وہ خود پیوے ہوئے تھی گھات گھات کے
 دم اور بڑھ گیا تھا لہو جات جات کے
 کیا جانے ملا تھا مزا کیا زبان کو
 کہا جانی تھی ہما کی طرح استخوان کو
 ہر شانہ میں آڑا کے کلائی نکل گئی
 کوندی، گڑی، زمیں میں سمائی، نکل گئی
 کاٹی زرہ، دکھا کے صفائی نکل گئی
 مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی
 چار آٹھے کے پار تھی اس آب و تاب سے
 جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

وقت رفا عصا تھی کبھی، اڑدھا کبھی؛
 تلوار بن گئی وہ کبھی، اور قضا کبھی
 بجلی کبھی تھی، ابر کبھی اور ہوا کبھی
 بلتی تھی نفی کفر کے خاطر بلا کبھی
 پھرتے تھے جب حسین پیادوں کو رول کر
 کہا اٹھتی تھی سروں کو دھن کھول کھول کر
 اللہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی
 دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی

جل جل گئے وہ شعلہ فشانہ دکھا گئی
 کت کت گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی
 لب صورت شکاف قلم، بلند کر دیے
 فقروں نے ذوالفقار کے، دم بلند کر دیے
 پہنچی سم فرس پہ، جو بالائے سر گری
 چمکی ادھر زمیں سے نکل کر، ادھر گری
 ناری جلے ادھر، وہ جدھر کوند کر گری
 جس صفائے لگ [۱] چلی یہ، وہ صفا خاک پر گری
 دکھلا کے اوج جانی تھی یوں ہر سوار پر
 جنگل میں باز کرتا ہے جھسے شکار پر

سواری

میدان میں جب سواری شاہ اسم چلی
 کس شان سے جلو میں سپاہ حشم چلی
 فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
 بدلی ہوا، نسیم ریاض ارم چلی
 سرتاج عرش تھا جو مکھن، صدر زمین پر
 قدسی پروں کو فرس گئے تھے زمیں پر
 جوں جوں قدم پوہاتا تھا سرور کا خوشخبرام
 ہڈتے تھے نقش سم سے زمیں پر مہ تمام
 تھا ارض کربلائے معلیٰ کا یہ کلام
 گو فرس تھی یہ اب میں ہوئی عرش احتشام
 ذروں کا اُس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
 ہر سنگ پوزہ رشک دہ شب چراغ تھا
 بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
 ہلستا تھا کہکشاں پہ، یہ جاوے [۲] کو تھا ضرور

ہنسے تھے روئے مہر پہ ، ذروں میں تھا یہ نور
 ہر سنگریزہ کہتا تھا ، میں ہوں چراغ طور
 تھا یہ زمیں کا قول کہ عذہر سورشیت ہوں
 کہتی تھی گرد نکبت باغ بہشت ہوں
 وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشید خاوری
 وہ صاف صاف آئینۂ چرخ اختری
 وہ نور اور وہ شان جوانان جہداری
 راکب ہو اک ملک تھا تو مرکب ہو اک پری
 صدقے سواری شہ گردوں رکاب کے
 گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

گھوڑے کی تعریف

گھوڑے تھے چھلاوا : کبھی یاں تھے ، کبھی واں تھے
 پتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
 یاں تھے جو سیکرو تو اُدھر گرم علماں تھے
 بجلی [۱] تھے کسی جا ، تو کہیں آب رواں تھے
 ہو سکتی تھی بجلی [۲] سے یہ سرعت ، نہ ہرن سے
 چھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے
 بے آب تھے دو دن سے یہ جاندار تھے گھوڑے
 ہر مرتبہ اُرجاتے یہ طہار تھے گھوڑے
 اُس پار کبھی تھے ، کبھی اُس پار تھے گھوڑے
 نقطہ تھی وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
 دس بوس جو مرجاتے تھے تاپوں سے کچل کے
 بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی [۳] احاطے سے اجل کے

سرعت وہ سمندوں کی وہ چھل بل وہ طواری
 چھٹتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے

سُ م ایسے کہ قدموں پہ فلک ، بدر کو وارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور اُتارے
اُڑ جانے کو افلاک پہ طہار یہی تھ
کیلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیار یہی تھ

ہلچل وہ اُن صفوں کی وہ گھوڑے کی جست و خیز
تھا ترک و تاز میں کہیں صرصر سے تند و تیز
صدقے گندھے [۱] اہال پہ ڈھسے مشک بوہز
گرد آوری میں ابر تو بجلی دم ستہز
نرے قدم کے فہض سے سارے چمک گئے
جب پتلیاں اُٹھیں تو ستارے چمک گئے
جرات میں رشک شور تو ہیکل میں پھلتن
پوئی [۲] کے وقت کیک دری ، جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ ، تو کہیں ابر قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
سہماں تھا زمیں پہ فلک پر ستاب تھا
دریا پہ موج تھا ، تو ہوا پر عقاب تھا
آنکھیں وہ ، جن کو دیکھ کے حیران ہے غزال
گردن وہ ، جس کی شرم سے ہے سر نکوں ہلال
آہو کی جست ، شہر کی چتون ، پری کی چال
دل ، اُس کے دست و پاے حنائی سے پائمال
ہر نعل پا کا حسن یہ تھا اُس جاوس میں
اُٹھتے جس طرح سے ہو دست عروس میں
کہوں اعتقاد میں حکما کے نہ آئے فرق
اِشراقی ، اُس سے بصر تفکر میں سب ہیں فرق
راکب کو اُس کو غرب سے دروازے سوے شرق
اور آمسالی سے ساتھ ہی چمکے نعل کے برق
بجلی کی واں چمک نہ فلک پر تمام ہو
یاں کب سے غرب میں فرس تھوڑا گام ہو

کل کی طرح اشارے میں سو بار پہر لو
 بجلی ہے ، جس طرف دم پھکار پہر لو
 کاوے میں شکل گلابد دوار پہر لو
 نقطے کے گرد صورت پرکار پہر لو
 درزے بروے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو
 آنکھوں میں یوں پھرے کہ مڑے کو خبر نہ ہو
 طاؤس سا جدھر گھا دم کو چنور کھے
 دم میں پرے سہاہ کے زیر و زبر کھے
 کچلے کبھی بدن ، کبھی پامال سر کھے
 کشتوں کو روند روند کے سُم خوں میں تر کھے
 مہدان میں تھا کسی کو نہ پارا ستیز کا
 عالم ہو ایک نعل میں تھا تیغ تیز کا
 زیبا ہے گر کہیں شعرا بادپا اُسے
 آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اُسے
 طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اُسے
 مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہے کھا اُسے
 فتراک گر ہوا سے کبھی اک زری آری
 یوں اُڑ کھا کہ سب نے یہ جانا پری آری

سفر

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
 راحت نہیں ملتی کوئی دم آتھ پھر میں
 سو شغل ہوں پر دعبان لگا رہتا ہے گھر میں
 پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی ، نظر میں
 سنگ غم فرقت دل نازک پہ گراں ہے
 اندرہ غریب الوطنی کاہیں جاں ہے
 گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
 جاتی نہیں افسردگی خاطر ناشاد

جب عالم تلہائی میں آتا ہے وطن یاد
 ہر گام پہ دل مثل جرس کرتا ہے فریاد
 ایک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
 منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
 منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
 جب ہو سفر خوف و پریشانی خاطر
 شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
 ہر طرح مسافر کے لئے رنج و تعب ہے
 رہ جائے پس قافلہ تھک [۱] کر تو فضا ہے

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پانوں کے چہالے
 منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
 ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
 در ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
 واماندوں [۲] کے لئے کو بھی آقا نہیں کوئی
 تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھانا نہیں کوئی

ہر دم دل نازک پہ مسافر کے ہیں یہ [۳] غم
 تو رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدہ پر غم
 تھمتا ہی نہیں قافلہ اشک کوئی دم
 ہوتا ہے عجب صاحب اولاد کا عالم
 بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
 والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

بیٹے کا غم

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے
 موت آئے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے

اُٹھ جانا ہے چھینے کا مزا مرگ پسر سے
 جانا نہیں یہ داغ مرے [۱] پر بھی جگر سے
 اس قم مٹوں کرے صبر، 'نہیں دل یہ کسی کا؟
 ہاں، 'سہط پھمپر کا، 'حسین ابن علی کا

فرزند

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
 راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
 لذت کوئی پاکیزہ فہر سے نہیں بہتر
 نکمت کوئی بوے گل تر سے نہیں بہتر
 صد مہوں میں علاج دل مجروح یہی ہے
 دیکھاں ہے یہی دوح [۲] یہی دوح یہی ہے
 ماں باپ کا دل فلحجۃ خلدان ہے اسی سے
 وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستان ہے اسی سے
 سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
 آبادی کا شانہ انسان ہے اسی سے
 کس طرح کھلے دل کہ جگر بلند نہیں ہے
 گھر قہر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے
 یہ وہ ہے عصا، پھر جوان دھتا ہے جس سے
 یہ وہ ہے نگین، نام و نشان دھتا ہے جس سے
 وہ شمع ہے، پُر نور مکتل دھتا ہے جس سے
 وہ دُر ہے، قوی رشتہ جاں دھتا ہے جس سے
 کہوتے نہیں یہ مال، زر و مال کے بدلے
 موتی بھی لٹا دیتے ہوں اِس لال کے بدلے
 صولت یہی، شوکت یہی، اِجلاں یہی ہے؛
 ثروت یہی، حشمت یہی، اِقبال یہی ہے

سرمایہ یہی ، نقد یہی ، مال یہی ہے ؛
 گوہر یہی ، یاقوت یہی ، لال [۱] یہی ہے
 دلہند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
 کچھ پاس نہیں ، گر یہ رقم پاس نہیں ہے
 ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
 تلخی میں بھی جھڑے کی طاقت ہے پسر سے
 خوں جسم میں ، آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
 ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
 آرام جگر ، قوت دل ، راحت جاں ہے
 پوری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جوان ہے
 وہ شے ہے ، خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے
 وہ چھن ہے ، راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
 وہ لال ہے اُمید بڑی رہتی ہے جس سے
 وہ دُر ہے یہ دُر ، جان لڑی رہتی ہے جس سے
 آرام جگر ، تاب و توان ساتھ ہے اِس کے
 پھرتا ہے جدھر ، رشک جاس ساتھ ہے اِس کے
 مالک سے بھرے گھر کے اُچڑ جانے کو پوچھو
 گھر والوں سے اِس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
 ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
 یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
 اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا
 بہ جانا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

—

نبود و بود بشر کہا معصوم عالم میں
 ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا ، حباب نہ تھا

کوئی انہیں کوئی آشنا نہیں رکھتے
 کسی کی اُس ، بغیر از خدا نہیں رکھتے

کسی کو کیا ہو، دلوں کی شکستگی کی خبر
 کہ توتلے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے
 قلعہ و گھر آبرو و دولت دیں
 ہم اپنے کوسٹے خالی میں کیا نہیں رکھتے
 ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر ملت خلق
 وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے
 فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
 کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے
 فلک پہ شور تھا کتنا ہے حلق پاک رسول
 حسین تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

ایک در پہ بیٹھ، گر ہے توکل کریم پر
 تکرار کیا ہے زندگی مستعار میں
 مرقد چراغ داغ سے روشن رہ "انیس"
 اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے
 اے موت، بار بار تقاضا نہ چاہیے
 شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھ
 کمال شوق زیارت ہے اب کے سال مجھ
 بونگ سبز بھگانہ باغ دھر میں تھا
 کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
 پھوک پھوک کے سروں کا وہ نیم بسمل ہوں
 گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھ
 کریم، ہڈی کی ظلمت سے اب نکال مجھ
 ترے سحاب کرم نے کیا نہال مجھ
 مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھ
 فلک نے کلمہ چھری سے کیا حلال مجھ

مرا راز دل آشکارا نہیں
 وہ کل ہوں جداسب سے جسکا رنگ
 گئے پہنے نعلین واں مصطفیٰ
 جہلم سے ہم بھڑاروں کو کیا
 وہ دریا ہوں جس کا کنارہ نہیں
 وہ ہو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
 فرشتے کا جس جا گزارا نہیں
 جو آتش پہ تھہرے وہ پارا نہیں

خیال چھوڑا شہ وقت خواب رہتا ہے
 تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

فبار وہ کریلا ہو گئی
 آہی، مجھی میں نہ تھی کچھ وفا
 نہ گل میں مصیبت نہ بلبل میں انس
 مری خاک بھی کھینچا ہو گئی
 کہ دنیا ہی سب بے وفا ہو گئی
 آہی، یہ کھسی ہوا ہو گئی؟

رہا مدتوں ساتھ جس روح کا _____ وہ دم بھر میں نا آشنا ہوئی
 گریباں مرا چہرہ ' اے حرص دنیا ' _____ مرے ہاتھ میں دامن پنجتن ہے
 "انہس" اِس قدر شور بختی کا شکوہ _____ یہ دولت ہے تہوڑی کہ شہریں سکن ہے؟
 آئی بکھش دے اپنے کرم سے _____ میرے مصلیٰ کو
 کہ میں ہوں بلندۂ محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دیکھا دنوں زمیں نجف کی بلندی؟ _____ بہت آپ کو آسمان کھیلچتے ہیں
 زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اِک دن _____ وہ کہیں سر کو نا آسمان کھیلچتے ہیں
 ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل [۱] _____ وہی گل جنمے خزاں کھیلچتے ہیں

ایک عالم سے جو چہت جاؤں تو پروا نہیں کچھ
 پر نہ ہاتھوں سے _____ مرے دامن سرور چھوٹے
 دل سیر ہے گدائے جناب امیر کا _____ خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا
 پیاسا ہوں ' ساکھا ' مے کوثر کے خم کی خیر _____ بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا

گرد ہے اکسیر خاک کر بلا کے سامنے
 زرد مٹی کی حقیقت کھا طلا کے سامنے
 جسم کو اک دن فنا کر دیں گے جھونکے آہ کے
 بات کھا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے
 فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
 ہاتھ پھیلا نا ہے سلطان بھی گدا کے سامنے
 فصل پھری میں ہوس دنیا کی ' توبہ کر "انہس"
 حشر میں کس ملہ سے جائے گا خدا کے سامنے

جب گسستہ ہو گیا نار نفس ' _____ کون سا اُلفت کا رشتہ رہ گیا؟
 کاتب اعمال بھی رخصت ہوئے _____ ہاے میں قربت میں تلہا رہ گیا
 قبر میں ہوگا حساب زندگی _____ بعد مرنے کے بھی جھکوا رہ گیا
 قبر میں رکھ کر نہ تھہرا کوئی دوست _____ میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا

گھٹا زور ' مشقِ سخن بڑھ گئی : شعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
مری قدر کر ' اے زمیں سخن : تجھے بات میں آسمان کو دیا

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمیوں کو
یہ جہریاں نہیں ہاتھوں پہ ' ضعف پھری نے
چلا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کا پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چھٹوں کو
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
" انیس " تھیں نہ لگ جائے آبیگہوں کو

گم کا بوجھ جو گردن پہ ہم اُٹھا کے چلے
خدا کے آئے خجالت سے سر جھکا کے چلے
تمام عمر جو کی سب نے بھرخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے ملے چھپا کے چلے
" انیس " دم کا بھروسا نہیں تھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے ؟

عالم فانی میں کیا تم کو ملا ؟ اور کچھ اپنی گردے سے کھو گئے

صبا ' لے کے جا مہرے پھولوں کی ہو : دماغِ عسکر بھی معطر رہے
فقہروں کی کیا موت ' کہا زندگی ؟ جگہ ' جس جگہ مل گئی ' مر رہے

اُسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اُسی کی شانِ فطر آئنی جدھر دیکھا
کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ " انیس "
عروجِ ماہ بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

کبھی برا نہوں جانا کسی کو اپنے سوا
 ہر ایک ڈرے کو ہم آفتاب سمجھتے ہیں
 اے نہ آئو دنیاے دوس کے دھوکے میں
 سراب ہے یہ ' جسے موج آب سمجھتے ہیں
 عجب نہوں ہے جوششوں میں دکھ کے لئے جانتوں
 اُن آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھتے ہیں

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے
 شمع کشتہ ہوں، لڑا میں ہے بقا میرے لئے

چوڑے گی جو ندی مرے اشک کی تو نظروں سے دیریا اُتر جائیں گے

در یہ شاہوں کے نہوں جاتے فقہر اللہ کے
 سر جہاں دکھتے ہیں سب ' ہم واں قدم رکھتے نہوں
 جو سبکی میں مال دنیا سے ہیں خالی اُن کے ہاتھ
 اہل دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہوں
 جو مقرر ہے وہ ملتا ہے تیری سرکار سے
 ہم ہیں صابر ' کچھ خیال بھس و کم دکھتے نہوں

رباعیات

پروا تیغِ زبانی کو سجدے کی نہیں حاجت طفلِ سکن کو بچنے کی نہیں
 دُر بار ہے اہرِ طبع لیکن ہوں خموش عادت ہے بوسلے کی ' کرجلے کی نہیں

بوجھا نہوں مدحِ شہ میں غرّا مہرا بھرتی سے کلام ہے معرّا مہرا
 مرغانِ خوش الحان چمن بولیں کہا مرجاتے ہیں سن کے روزِ مرّا مہرا

پرساں کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے ہر گل کو گلہ کم التفانی کا ہے
 شہنم سے جو وجہِ گریہ پوچھی تو کہا درنا نلقت اپنی بے ثباتی کا ہے

جس دن کہ فراقِ روح و تن میں ہوگا مشکل اُنا اِس انجمن میں ہوگا
 نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر ' فائل ' اِک روز یہی جسمِ کفن میں ہوگا

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے رخِ سب سے پہرا کے ملہ دکھایا ہے تجھے

کیونکر نہ لہٹ کے تجھ سے سوؤں، اے قہر،
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھ

زیبا ہے وتار بادشاہی کے لئے
جرات واجب ہے کچ کلاہی کے لئے

لازم ہے کہ ہو اہل سخن تیز زباں
تلوار ضرور ہے سپاہی کے لئے

جو شے ہے فدا، اُسے بقا سمجھا ہے
جو چھڑ ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے

ہے بھر جہاں میں عمر، مانند حباب
غافل، اِس زندگی کو کیا سمجھا ہے

ایک ایک قدم لغزش مستانہ ہے
گلزار بہشت ایذا میخانہ ہے

سر مست ہیں حب ساقی کوثر سے
آنکھوں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

غافل تجھے کہوں خواہیں دنیاے دنی ہے

پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غلی ہے

جو قائم و ساجد پہنچتے تھے ہمشہ

سوئے ہیں تہ خاک، گئے ہیں کفلی ہے

کلمشن میں پھروں کہ سور صعدا دیکھوں

یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں

ہر جا تری قدرت کے ہوں لاکھوں جلوے

حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا
جز خاک، فہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا

تنبہائی میں آئے [۱] کون ہووے گا "انہس"
ہم ہو رہیں گے اور قہر کا کونا ہوگا

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو، جاگو، کہ خوف اِسی راہ میں ہے

اُٹھو، اُٹھو، یہ خواب غفلت کب تک
دیکھو، دیکھو، اجل کھٹکاہ میں ہے

ظلمت کدۂ ہلد میں کہا ملتا ہے
نے دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے

صہراے نجف کو چل کے دیکھو تو "انہس"
دُر ایک طرف، نور خدا ملتا ہے

چھٹتا ہے مقام، کوچ کرتا ہوں میں
فرقت، اے زندگی، کہ موتا ہوں میں

اللہ سے لو لگی ہوئی ہے مہری
اوپر کے دم اِس واسطے بھرتا ہوں میں

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تھری افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تھری
جنت انعام کر ' کہ دوزخ میں جلا ' وہ رحم ترا ہے ' یہ عدالت تھری

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی بھگانے سے راحت ' نہ یگانے سے ملی
حقا ' کہ پلک نواز ہے ذات تری جنت انہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

ممکن نہیں عہد سے عبادت تھری خلق و کرم و عطا ہے عادت تھری
صعبرا صعبرا ہیں گو کہ عصیاں میہرے دریا دریا مگر ہے رحمت تھری

جب خاتمہ شاہ خوہی اقبال کیا اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے درڑاے چاند سے سہلوں پر سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

کھر میں تھوٹو ' نہ انجمن میں تھوٹو
مردم میں نہ تھوٹو ' نہ کفن میں تھوٹو
گلزار نجف میں مدح خراں ہوگا " انیس"
بلبل کو جو تھوٹو ' تو چمن میں تھوٹو

ہر دم ہے خیال عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوف الہی دل میں
نافی کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سہیہ دی ہے سہاوی دل میں

وہ موج حوادث کا تھوڑا نہ رہا کشتی وہ ہوئی فرق ' وہ بھڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تہ زندگانی کے " انوس" جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھڑا نہ رہا

بابل یہاں آئے خوہی بھائی سہکے انداز فقہاں مجھ سے ' فغانی ' سہکے
دونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ' ابر دریا مرے اشکوں سے روانی سہکے

آنکھ ابر بھاری سے لڑی دھتی ہے اشکوں کی ددا ملے پہ پڑی دھتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں مہری سارن بھادوں یاں سارے برس ایک جھڑی دھتی ہے

مضمون " انیس" کا نہ چربا اُترا اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھیلا تصویر نہ کھینچ سکی ' تو چہرا اُترا

اندیشہ باطل ، سحر و شام کھا عقوبت کا نہ ہاے کچھ سر انجام کھا
 ناکام چلے جہاں سے ، افسوس ” انہس “ کس کام کو یہاں آئے تھے کھا کام کھا

طفلی دیکھی ، شباب دیکھا ہم نے ہستی کو حجاب آب دیکھا ہم نے
 جب آنکھ ہوئی بلند تو عقدہ یہ کھا جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا گھر چھوڑ کے زیر خاک سونا ہوگا
 بالوں سے سروکار نہ بستر سے غرض اپنا کسی تکہ میں بچھونا ہوگا

جب دارِ فلدا سے جان کھونا ہوگا
 محبت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
 عادت نہیں ملے تھانپ کے سونے کی ” انہس “
 کھا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں اک آن میں طوبی کے تلے جاتے ہیں
 ہے راہِ بہشت کٹنگی ہموار ” انہس “ بدلتا آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں یہ نشیئہ فقر ہے کہ جانا ہی نہیں
 لہریز ہیں یہ دولتِ استغنا سے آنکھوں میں کوئی فنی سماتا ہی نہیں

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
 توفیق رفیق ہو ، تو چلتا ہوں میں
 تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں ” انہس “
 کہوں دک گئے پانوں ، ہاتھ ملتا ہوں میں

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے ؛ ناداں ، تجھے فکر آبِ دانے کی ہے
 ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فلدا آنا تھرا دلیل جانے کی ہے

کہوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے ؟ ناداں ، یہ کسے فریب تو دیتا ہے ؟
 لازم نہیں اچھے ملے سے تعریف ” انہس “ خالص جو ہے مشک ، آپ بو دیتا ہے

گلشن میں صبا کو جستجو تھی ہے ، بلبل کی زباں پہ گفتگو تھی ہے
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا ؛ جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تھی ہے

دل بہت سے اُٹھا کے حق پرستی کھیچے ؛ بے تہفہ ”انہس“ قطع ہستی کھیچے ؛
 آخر اک دن یہ پانوں ہوں گے بے کار ؛ بہتر ہے یہی کہ بھوش دستی کھیچے
 راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گذری ؛ کہونکر تاریک گھر میں تلہا گذری ؟
 اے کلچ لحد کے سونے والو ، افسوس ؛ کس سے پوچھیں کہ تم یہ کیا کھا گذری ؟
 اب زیر قدم لحد کا باب آپہنچا ؛ ہشہار ہو جلد وقت خواب آپہنچا
 پوری کی بھی دوپہر تھلی ، آہ ، ”انہس“ ؛ ہنگام غروب آفتاب آپہنچا

کہوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے ؟
 جانا ہے تجھے کہاں ، کدھر پھرتا ہے ؟
 اللہ رے ، پیوری میں ہوس دنیا کی !
 تھک جاتے ہیں جب پانوں ، تو سر پھرتا ہے

داغ غم شہ ، سہلے میں گل بوٹے ہیں ؛ کھا کیا گھر بھش بہا لوتے ہیں
 مجلس میں ریاسے جو کہ روتے ہیں ”انہس“ ؛ اشک آنکے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں
 جب اُٹھ کھا سایۂ جوانی سر سے ؛ پھر ہوئی جدا نہ سرگردانی سر سے
 کچھ ہو گانہ ہانہ پانوں مارے سے ”انہس“ ؛ جس وقت گذر جائے گا پانی سر سے
 دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے ؛ آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
 جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا ؛ یہاں اور گہر سے اک برس جاتا ہے
 دنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے ؛ پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
 ما بہن زمین و آسمان یوں ہم ہیں ؛ جھسے دو آسھا میں اک دانہ ہے

دبیر

سلامت علی ”دبیر“ مرزا غلام حسنین کے بیٹے ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے، وہیں ہوہی سنبھالا اور چھوٹے علما سے فضل و کمال حاصل کیا۔ شعر و سخن کے ساتھ خلیقی ملاسبت تھی۔ مہر ”ضمہر“ مشہور مرثیہ گو کے فیض صحبت سے مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہوئے اور مجالس عزا میں شریک ہونے لگے۔

مشہور ہے کہ مرزا صاحب نے پندرہ برس کی عمر سے مرثیہ گوئی شروع کی پچاس ساٹھ سال کی عمر تک تین ہزار مرثیے لکھے، رباعیاں اس کے علاوہ جو اکثر لاجواب ہیں۔ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں لکھنؤ ہی میں وفات پائی [۱]۔

مراثی

میدان جنگ میں جناب امام کی آمد

کس شہر کی آمد ہے کہ دن کانپ رہا ہے دن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشہر بکف دیکھ کے چوہدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹتے ہوئے پر کو

ہمیت سے ہیں نہ قلعہ انلاک کے در بند جلاہ فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند سیارے ہیں غلطال، صفت طائر پر بند
زنکت پہ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پلجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

[۱]—خطائے جاوید، ص ۱۵۸ ج ۳ و تاریخ ادب اردو، ص ۳۱۷ و ۳۲۵ ج ۱۔

اُس رخس کو عباس اُڑاتے ہوئے آئے کوس ”لمن الملک“ بجاتے ہوئے آئے
 اک تیغ ننگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے تکبہر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے
 کھینچتے ہوئے فصے سے ہر اہرو کی کماں کو
 اور تانے ہوئے پلکوں کی ایک ایک سداں کو

شیر خوار اور تشنہ لب علی اصغر پر تیز ستم

پھر ہونٹ بھڑبان کے چومے جھکا کے سر رو کر کہا جو کہنا تھا سو کہ چکا پندر
 باقی رہی نہ بات کوئی، اے مرے پیسر سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر
 پھیری زبان لبوں پہ جو اُس نور عین نے
 تھرا کے آسمان کو دیکھا حسوں نے

مولا فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناکہاں لی حرم ملہ نے شانے سے دو تانک کی کماں
 ترکش سے چن کے کھینچ لیا تیر جانستار چوڑا کماں میں تاک کے حلقوم بھڑبان
 چھتے ہی، حلق بچنے کا چھیدا جو تیر نے
 ڈھیرائے غش سے کھول دیں آنکھوں صغیر نے

کیا سین تھا تیر کھاتے ہی بچہ ہلک گیا سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا
 تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرک گیا توپی گری زمہن پہ ملکا دھلک گیا
 نلہی کلاٹھوں میں تشلیج سے بل پڑے
 ہچکی سی آئی ملہ سے انکوٹھے نکل پڑے

ملہ آسمان سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا دیکھا کہ پار حلق سے تیر جفا ہوا
 بچہ توپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا یوں دیکھتا ہے جھسے کہ کوئی قرا ہوا
 آنکھوں پھرائے دیتے ہیں تھور بدلتے ہیں
 آگے تو دردہ اُگلے تھے اب خوں اُگلے ہیں

شہ نے [۱] کہا العینوں سے کیوں اے جوان و پھر ہم نے کہا تھا کیا، جو بھلا تم نے مارا تیر؟
 تم سے کلام کرتا تھا میں یا کہ یہ صغیر اس بھڑبان نے تو نہ مانگا تھا آب و شہر
 ثابت علی کے پوتے کی تم نے خطا نہ کی
 تم نے ہمارے لانے کی بھی کچھ حیا نہ کی

ہنس ہنس کے سب حسوں کے رونے پڑے ہت گئے شہ نے وہ آہ کی کہ دو عالم اُلٹ گئے

اصغر ہمک ہمک کے پدر سے لہت گئے نڈھ سے ہانہ پانو لڑ کر سمٹ گئے
 ہونٹوں پہ شہ کے ہونٹ ملے اور گذر گئے
 اک بسوسہ مسکرا کے لہا اور مر گئے

فم حسین

داغ فم حسین مہیں کیا آب و تاب ہے اس داغ کے چراغ کا گل آفتاب ہے
 یہ گل وہ گل ہے جس کا کہ بلبل ثواب ہے یہ داغ لالہ چمن بوقراب ہے
 پروانے مہیں جڈان کے ، لحد کے چراغ مہیں
 نام خدا نجات کی مہریں یہ داغ مہیں
 دل ہے کلہم اور ید بھضا یہ داغ ہے قلمدیل جس کی طور ہے یہ وہ چراغ ہے
 اندیشہ خزاں سے اسے انفراغ ہے ہر وقت اشک سے تر و تازہ دماغ ہے
 اس اشک سے ہزار طرح کا فتوح ہے
 عصیاں کے فرق کرنے کو طوفان نوح ہے

اسیروں کا قافلہ

مزیزو ، حادثہ نو فلک دکھانا ہے حرم کا قافلہ پیس پیس پڑید جانا ہے
 گلے بلند مہیں بدن سب کا تہر تہرانا ہے نہ سانس لہتے مہیں تھیدی نہ بولا جانا ہے
 جو گرتے مہیں تو ستمگار نہڑے مارتے مہیں
 وہ رو کے حیدر کرار کو پکارتے مہیں
 کہوں اسیروں کا سب حال ، یہ مجال ہے کہا یہ ہاتھ بلند علیہ کا مضمون ہے دست بستہ کھڑا
 ہوا ہے بھڑیوں سے بس کہ فلغلہ بریا بتول خلد مہیں حیدر کو دے رہی ہے صدا
 بلند کرتی ہے فریاد یا علی ، زینب
 چلو پیس کے دربار مہیں چلی زینب
 ادھر اسیروں کے بچوں کی فالہ و زاری ادھر لہیوں کو زاری سے اُن کی بیواری
 جناب عابد بیکس اسیر و آزادی اور اہل ظلم کے آزار مہیں دل آزادی
 سکیلہ کہتی تھی اماں ، چلا نہیں جانا
 اشارہ کرتی تھی ماں ، کچھ کہا نہیں جانا

صبح

جب ختم کیا سورہ ”واللہل“ قمر نے اور سہکے انجم کو لگا ہاتھ سے دھرنے

آغاز کیا آیہ ”والشمس“ سحر نے اور دو کے کہا فاطمہ خستہ جگر نے
 پوشہ ہوا دوے قبر چرخ بریں مہن
 چھپ جائے گا اب چاند ہمارا بھی زمیں مہن

وہ روشنی صبح وہ جنگل وہ بھاپاں وہ سرد ہوا اور وہ سحر قتل کا سامان
 ہر مرتبہ جنبش مہن بہم برگ درختاں اور شاخوں پہ وہ زمزمہ مرغ خوشی العناں
 خورشید کی وہ جلوہ گری اوج و سما سے
 اور خیموں مہن بچھنا وہ چراغوں کا ہوا سے

سورج کی کرن سبزہ صحرا پہ جو آئی وہ فرش زمرد بھی ہوا فرش طلائی
 مرقان سحر مستعد نغمہ سرائی اور فاطمہ دیتی تھی معصم کی دھائی
 آہ دل زہرا جو شرر بار ہوئی تھی
 خورشید کے خرمن مہن بھی اک آگ لگی تھی

وہ پرتو مہر اور وہ ذروں کا چمکنا اور سافر خورشید سے وہ نور جھلکنا
 اور خیمے مہن شہپر کے پہنوں کا بلکنا سر خاک پہ ہر مرتبہ دو دو کے پٹکنا
 عالم تھا یہ اُس دم حرم خاک نشین پر
 تسبیح گریے ثروت کے جس طرح زمیں پر

یہدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی پنہاں درازی پر طاؤس شب ہوئی
 اور قطع زلف لہلی زہرہ لقب ہوئی مجنوں صفت قباے سحر چاک سب ہوئی
 فکر رفو تھی چرخ ہر مند کے لیے
 دن چار تکرے ہو گیا پیوند کے لیے

یوسف فراق چاہ مہن ناکہ نہاں ہوا یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
 یونس دھان ماہی شب سے عہاں ہوا یعنی طلوع نیر مشرق ستاں ہوا
 فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
 دن تھا کلہم اور یدِ بھضا تھا آفتاب

نہی صبح یا فلک کا وہ چھب دیریدہ تھا یا چہرہ مسیح کا رنگ پیریدہ تھا
 خورشید تھا کہ مرش کا اشک چکھدہ تھا یا فاطمہ کا نالہ گردوں رسیدہ تھا
 کہہ نہ مہر صبح کے سونے پہ داغ تھا
 امجد اہل بہت کا گھر بے چراغ تھا

کھا رو سفید فوج خدا ہے ظہور صبح آتی ہے ان کے عقد عبادت میں حور صبح
 رخ سے طلوع مہر' جبوں سے ظہور صبح اک سمت ان کا نور ہے اک سمت نور صبح

سر سجده میں بدن ہے قعود و قیام میں

کھا صبح کی بہار ہے فوج امام میں

آواز " ارکبوا " جو ملائک سناتے ہیں غازی نماز پڑھ کے مصلے اُٹھاتے ہیں

تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں سجده کو استعاذہ مولا یہ آتے ہیں

درپر رکھے جبہلوں کو سب خوشگصال ہیں

ایک آسمان ہے اور بہتر ہلال ہیں

مثل قمر یہ عابد شب زندہ دار ہیں مانند مہر متقی روزگار ہیں

شکلِ فلک رکوع میں لیول و نہار ہیں مثل زمیں سجدہ میں یہ خاکسار ہیں

سجھے کی ان کے ہاتھ سے کھا قدر پڑھتی ہے

تسبیح ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھتی ہے

رات

فاگاہ بواہاں میں زلیخاے شب آئی یوسف کی طرح چاند نے کی جلوہ نمائی

طلعتِ علم گاہکشاں نے جو دکھائی خورشید نے بجلی چمکے مغرب میں گرائی

بے نور تھی شب غم سے شہ جن و ملک کے

کہے یہ قمر داغ تھا سہلے یہ فلک کے

حضرت عباس کی تلوار

پہر مہیاں سے تلوار معجب تھلگ سے نکلی قل تھا وہ گل فتح کی بو رنگ سے نکلی

لہلہ کے لہے جان صف جنگ سے نکلی یہ سر پہ سواروں کے پتوں لنگ سے نکلی

ہمت ہمت کے صدا موت نے دی فوج ستم کو :

اب خیر نہیں آؤ میرے ساتھ عدم کو

کھسی رگ جاں توغ نے ریشہ کو نہ چھوڑا پہلچے یہ چوہہ پہلچتی تو تیشہ کو نہ چھوڑا

بے جان لہے شہروں کے بوشہ کو نہ چھوڑا پر ظالموں نے مکر کے پوشہ کو نہ چھوڑا

سر کت کے گرے پانوں اُٹھانے لگے ظالم ;

آنکھ ایک طرف جان چرانے لگے ظالم

ہر دم تھی وہ شمشیر دو دم اوج کے اوپر سو بار گری برق ' صف فوج کے اوپر
کے فرد کے سر پر تو کبھی زوج کے اوپر تھا شور کہ ہے سہل فنا موج کے اوپر

ظاہر تھی کبھی اور کبھی آنکھوں سے نہاں تھی

قدرت تھی خدا کی: کبھی یاں تھی کبھی واں تھی

گہ خود کے فانوس میں یہ شمع تھی روشن ' گہ برج سر فوج میں تھی پرتوہ انگن
گہ گردن و گہ سہل اہدا کھا مسکن ' کہ چوشن و بازو ہوئی ' گہ داخل چوشن

پاکہر میں جو پوشہدا ہوئی ' بال سے نکلی

اُس چال سے نکلی کبھی اس چال سے نکلی

نکلی کبھی مثل مہنو چرخ کہن سے گہ زیر زمیں چھپ گئی فردہ کھا دن سے
سن سن چرچلی ' فوج کچی ہو گیا سن سے سر ہو گئے گردن سے جدا ' روح بدن سے

یہ وصف اسی توفع فضہناک میں دیکھا :

گہ غرق زمیں میں ' کبھی افلاک میں دیکھا

شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی چاں در کے تن زشت عمل سے نکل آئی
گہ حُر کی طرح فوج دغل سے نکل آئی دریا میں چوتھری توجہل سے نکل آئی

ہلتی تھی زمیں ' گار زمیں کانپ رہی تھی :

ساتھ اُس کے جو پھرتی تھی اجل ہانپ رہی تھی

ہر بار نگی چال ' نہا طور ' نہا ڈھنگ اسواروں کو پھدل کھا ' پھدل کھے چورنگ
گہ زمین پہ ' گہ ہاگ پہ ' اور گہ ہمہ سر تلگ گہ تلگ لہا ' گاہ لہلہوں کا دل تلگ

بل کھاتی تھی گہ اژدر خونخوار کے مانند

اعداء کے گلے میں تھی کبھی ہار کے مانند

تہروں میں جو چمکی صفت کاہ چلایا ہر سمت پڑا تودہ پہلوں کا نظر آیا
پر تہر کا ' شہباز نے سہواً جو ہلایا نکلا تھا فہ گوشے سے کہ جو اُس کو گرایا

دہشت سے فراموش سب انداز ہوئے تھے

خود گوشے میں پٹھان قدر انداز ہوئے تھے

شمشیر علمدار تھی ہا فصل بہاری جنگل ہوا گلزار وہ چشمے کھے جاری
زخموں سے بنائے ہتجر گل قد ناری اک ایک روہں باغ کی لاشوں سے سوار

پانی کے عوض خون کی اک نہر رواں تھی

ظاہر میں بہار اور وہ باطن میں خزاں تھی

تہنوں پے پڑی تہنؑ تو تہنوں ہوئیں آریؑ آری ہوئیں تہنیںؑ تو ستمگر ہوئے ماریؑ
 ماری ہوئے ناریؑ تو ہوا سر اُنہیں بہاریؑ بہاری ہوا جب سرؑ تو سبک ہو گئے ناری
 ناری تھے سبک اِس سے کہ سر دور تھا تن سے
 سر دور تھا تن سے کہ قدم اُٹھتے تھے دن سے
 آئی جدھر اک سہل بہانی ہوئی آئی سب کو کلمہ اپنا پڑھانی ہوئی آئی
 راہ ستر و نار بتانی ہوئی آئی ہر فرد کے چہرے کو معانی ہوئی آئی
 تہیں ہر چہرے کی شمعیں چوروشنؑ وہ بجھا دیںؑ
 دیواریں صفوں کی جو کھڑی تھیںؑ وہ گرا دیں
 مغر سے اُگر چھوٹکیؑ گردن میں در آئی گردن سے بڑھیؑ سینۂ دشمن میں در آئی
 سہلے کو کھا چاکؑ تو چوشن میں در آئی چوشن سے چونکلیؑ تو وہ توسن میں در آئی
 توسن سے جو اُترتیؑ تو نہ پھر دن میں کہیں تھی
 واں تھیؑ نہ جہاں گاؤں زمیں تھیؑ نہ زمیں تھی

رباعیات

جو روزے میں بازیاب ہو جانا ہے وہ آج میں لاجواب ہو جانا ہے
 جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پے چراغ وہ صبح کو آفتاب ہو جانا ہے
 خورشید سر شام کہاں جاتا ہے روشن ہے ”دبھر“ پر جہاں جاتا ہے
 مغرب ہی کی جانب کو ہے قبر حیدر یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے
 مہزاں سخن سنج میں تلتا ہوں میں فکر گہر نظم میں گھلتا ہوں میں
 دل دھتا ہے بلند قفل ابجد کی طرح جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں
 گلشن میں صبا کو جستجو تھری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تھری ہے
 ہر رنگ میں جلوۂ ہے تری قدرت کا جس پھول کو سونکھتا ہوں بو تھری ہے
 ہم شان نجف نہ عرش انور تھہرا مہزاں میں یہ بہاری وہ سبک تر تھہرا
 اِس پلے میں تھا نجف اور اُس پلے میں عرش پہنچا وہ فلک پر یہ زمیں پر تھہرا
 کہتی ہے زمیں ہمسر عرش آج میں ہوں زیر قدم صاحب معراج میں ہوں
 آوازؑ لب فرس سے ہوتی ہے بلند طوطا یہ ہے سب پہ عرش کا تاج میں ہوں

عشق

آغا سہد حسہن مرزا ”عشق“ لکھنؤ کے رہنے والے، مہر انیس اور مرزا دبیر کے ہمعصر، مرزا انس کے بھتیے اور شاکر تھے [۱]۔ مرثیہ کے علاوہ اور اصناف سخن میں بھی مشق بہم پہنچائی تھی۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ دو جلدوں میں چھپا ہے، جو سلام، نوے اور مرثیہ کے تمام اصناف پر حاوی ہے۔ ۱۲۸۳ھ تک زندہ تھے [۲]۔

یہ اپنے مرثیوں میں اکثر صنائع و بدائع کو اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ آورد کا رنگ معلوم نہیں ہوتا۔ معمولی بات، غیر معمولی اہتمام سے بیان کرتے ہیں، جا بجا الفاظ کی کثرت ہوجاتی ہے لیکن معمولی نقص پیدا ہونے نہیں دیتے۔

سرائی

مناجات

سنبھال، دونوں جہاں کے سنبھالنے والے معہن، کوہ مصیبت کے ٹالنے والے، مفر، نجات کی صورت نکالنے والے، نباہ دے مجھے، اے مہرے پالنے والے
رحم کون ہے تجھ سا بھلا جہاں جاؤں
بغا مجھے ترے در کے سوا کہاں جاؤں

تعلی

ایک قطرہ درِ خوش آب ہوا داغ بے نور مہتاب ہوا
ذکر مہر ابو تراب ہوا عشق ذرے سے آفتاب ہوا
کیا اندھیرا فروغ نور ہوا؟
تھا شرارہ، چراغ طور ہوا

[۱]—تاریخ ادب اردو ص ۳۳۲ ج ۱، ر سخن شعرا ص ۳۲۱۔

[۲]—کلیات منیر ص ۲۰، مطبوعہ ۱۲۹۶ھ میں ۲۱ صفر ۱۲۸۳ھ کا ایک خط ان کے نام کا

موجود ہے۔

شکر خدا کہ عجز میں ہم لا جواب ہیں
 پھر غرور کی ہیں ادب کا شباب ہیں
 ذروں کا جس کو پاس ہے وہ آفتاب ہیں
 کہوں کر نہ ہوں، [۱] کہ خاک در ہو تراب ہیں
 تکلف سر اٹھا کے نہ دیں خار کی طرح
 دشمن سے چھک کے ملتے ہیں تلوار کی طرح

مقتبص

اقبال شمع دیں کے ہما ہیں علی اکبر
 چشم گل زہرا کی ضیا ہیں علی اکبر
 سب کہتے ہیں کیا جانہے کیا ہیں علی اکبر
 ہے منجھ کو یقین نور خدا ہیں علی اکبر
 رخسار ہیں یا مصطفیٰ پر نور کہلے ہیں
 دادا کی طرح عقدہ کھائی کو لے لے ہیں

حضرت علی اکبر کا سراپا

ذکر شب معراج ہے افسانہ گیسو زیبا ہے اگر چاند بنے شانہ گیسو
 سہل ہے پریشان کہ ہے دیوانہ گیسو ہے کاکشاں جلوۂ کاشانہ گیسو
 ہوں وصف یہاں، یہ کسے ارمان نہیں ہیں؟
 اعمال شب قدر کے آسان نہیں ہیں

کیا چشم ہے، یارا نہیں شہروں کو نظر کا
 اس آنکھ سے پردہ نہیں کچھ نہکی و شر کا
 ہے نور عجب مردنک چشم قمر کا
 آفوش میں آہو کے ستارا ہے سحر کا
 ملہ زرد ہے نرگس نگراں ہے جو تعب میں
 دیکھا ہے، ان آنکھوں کو مگر میں فطرب میں

شب کوور، بصارت کا سہارا انہیں سمجھیں
 مڑگل سے جفاکھش صف آرا انہیں سمجھیں

خوش چشم جہاں جان سے پہارا انہیں سمجھوں
 سب اہل نظر آنکھ کا تارا انہوں سمجھوں
 وائوں کو نہ ہوں بلند وہ کالی ہوں یہ آنکھوں
 آسرا خدا دیکھنے والی ہوں یہ آنکھوں

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں جاتے ہیں
 مہتاب سے اختر کی جدائی کا بھان ہے شہیر سے اکبر کی جدائی کا بھان ہے
 ہم شکل پھمپر کی جدائی کا بھان ہے رشک مہ انور کی جدائی کا بھان ہے
 پر گرد ہیں کھڑے پسر شہر خدا کے
 اُتھے ہوں لحد اصغر ناداں کی ہڈا کے

دشمن اشتعال دیتے ہیں

کچھ آج زور فائنح خہر دکھائو برق حسام اے مہ انور دکھائو
 ناحق ہے معجز تیغ کے جوہر دکھائو سبط نبی شجاعت حیدر دکھائو
 چانا رہا ہے پیاس سے کیا آج تن کا زور ؟
 ہاتوں مہن آپ کے نہیں خہر شکن کا زور

تلوار کی تعریف

شاخ حسام خون سے کل پوہ ہوگئی سر کت گئے تو فوج سبکدوش ہوگئی
 پعلی ہر ایک آنکھ میں پڑھوں ہوگئی ہر شے کے تر سے یاد فراموش ہوگئی
 فرق عدو سے موت کا ٹلنا محصال تھا
 جس پر گری وہ تیغ ' سنبھلنا محصال تھا

مونس

مہر محمد نواب "مونس" مہر انیس کے چھوٹے بھائی اپنے والد مہر مستحسن "خلیق" سے مشورہ سنتے کرتے تھے [۱]۔ مرثیہ گوئی میں کسی طرح اپنے بڑے بھائی سے کم نہ تھے۔ لیکن گوشہ نشینی کی وجہ سے مشہور نہ ہوئے۔ نہایت زود گو تھے۔ ان کے یہاں ہر مہمان کی چہ بوسوں کو مجلس ہوتی تھی جس میں یہ ہمیشہ نیا مرثیہ پڑھا کرتے تھے۔ پڑھنے کا طرز نہایت موثر اور دلکش ہوتا تھا۔ مرثیہ کے علاوہ ابتدا میں غزلیں بھی کہی تھیں۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی [۲]۔

مشکل زمیٹوں میں متحارے اور زبان کو قائم رکھتے تھے۔ سلاموں میں استعارے اور کنائے کی جھلک معلوم ہوتی ہے۔ انیس اور دبیر کے بعد ان کے مرثیوں میں سب سے زیادہ آمد کی شان اور آورد کی بلندی ہے۔

مرثی

تعلیٰ اور حمد

کلمہ کہیں عارض لہلہے سخن ہوں

ہر ہفت [۳] کن چہرہ سلماے سخن ہوں

دلدادہ حسن رخ زیبائے سخن ہوں

خود شوختہ زلف چلہائے سخن ہوں

کہا حسن دکھائے ہوں بتان چگل [۴] اپنا

یہ ہے وہ سلسل کہ مسلسل ہے دل اپنا

[۱]—سخن شعرا - ص ۲۷۲ - [۲]—تاریخ ادب اردو، ص ۳۲۲ - ج ۱ -

[۳]—ہر ہفت، کثایہ از زیب و زینت مہموم و آرائش و زینت ہفتکانه خصوصاً (یعنی ساتوں

سنگار) - بہار عجم -

[۴]—چگل یکسرتین، ص ۱۰، شہرستان بہ ترکستان منسوب ہواں جا را چگلی گویند و بطرب

روئی و تیر اندازی معروف اند - فرہنگ اندراج -

خوبان جہاں سب بھیں یہ سب مہیں ہے یہی خوب
 پہارا ہے یہی روح کو ' جان کو یہی مطلوب
 مطبوع یہی طبع کو ' دال کو یہی مرقوب
 معشوق کا معشوق ہے ' محبوب کا محبوب
 دیکھا ہی کرے چشم کو منظور یہی ہے
 فلماں یہی ' رضاں بھی یہی ' حور یہی ہے
 یارب تری قدرت کی یہ سب جلوہ گری ہے
 یہ خشک زراعت تری رحمت سے ہری ہے
 تودے ہی کرم سے مرے گلشن مہیں تری ہے
 درویش کی جھولی گل جلت سے بھری ہے
 اب فکر ہے کہا ہدیہ مقبول لہے ہوں
 رنگوں چمن نظم کے مہیں بھول لہے ہوں

تعلیٰ

اے دستِ قلم ' شانہ کش زلفِ سخن ہو اے تختہ قوطاسِ سخن [۱] رشکِ چمن ہو
 اے شمعِ زباں ' روشنیِ بزمِ حسن ہو اے شاہدِ مقسوس ' نئے جلوے سے دلہن ہو
 اک حور سراپا متعلیٰ [۲] نظر آئے
 ہر نقطے کے گہونگت مہیں تجلی نظر آئے
 گلگونہ رخسارِ سخن ہے ترا جلوہ لفظوں [۳] کے لہجے حُسنِ حسن ہے ترا جلوہ
 تڑپنِ ہر وسانِ چمن ہے ترا جلوہ دلِ جس یہ ہے شہدا وہ دلہن ہے ترا جلوہ
 خالی جو تجلی سے ہو وہ طور نہیں ہے
 بے نور ہے مجلسِ جو ترا نور نہیں ہے
 اے جانِ جہاں ' جان ہے تو نظم کے تن کی رونق ہے ترے نور [۴] سے اس نازِ چمن کی
 تجھ سے چمکِ قافیہ سلجانِ زمن کی گر تو نہ ہو ' پوچھ نہ کوئی باتِ سخن کی
 کچھ نظم کی توقیر نہ ہو ' شان نہ ہووے
 پھر خاک ہے قالبِ مہیں اگر جان نہ ہووے

مفتی

تاج سر سخن ہے شہ "افتی" کی مدح حسن رخ کلام ہے مشکل کشا کی مدح
لفظوں کا نور ہے اسد کبریٰ کی مدح خلعت ہے حرفِ حرف کا دستِ خدا کی مدح
جب تک زبان رہے صفت مرتضیٰ کرے
ہلبل وہ خوہں نوا ہے جو گل کی گدا کرے

شہرِ خدا ' شجاعِ عرب ' شاہِ نامدار نورِ میہوں ' چراغِ ہدایت ' فلکِ وقار
فیاضِ خلق ' صاحبِ مصلح ' ذوالفقار آدم کا فقیر ' حضرتِ عیسیٰ کا افتخار
مولد ملا تو خالق اکبر کا گھر ملا
کعبہ صدف بذا تو علی سا گھر ملا

مناقبِ اہل بیت

ایک سے ایک جو خوشرو تو حسین ایک سے ایک
سبزہ رنگوں میں زیادہ نمکوں ایک سے ایک
رشتہ واحد یہ فیروز در تہیں ایک سے ایک
صورت دانہ تسبیح قرین ایک سے ایک
شور تھا لاکھ پہ بھاری ہیں جو ہوں سو ایسے
اللہ اللہ امام ایسا ہو پورو ایسے
صادق القول ہیں ' نامی ہیں ' نمودار ہیں سب
سجدے پیغوں سے کریں گے یہ وہ جوار ہوں سب
حافظ و متقی و زاہد و ابوار ہیں سب
کہوں نہ ہو مصحفِ ناطق کے نمکفوار ہیں سب
آیتوں دین کی ہیں [شہادت] باری ہیں
کہ دے قرآن بتکلف خود کہ یہی قاری ہیں
وہ عبائوں مدنی اور وہ قبائوں عربی
مکی و فاطمی و ہاشمی و مطاہی
صاف پوشانیاں ' آنہا عالی نسب
رشتہ دارانِ علی [شہادت] آلِ نبی
ایک تسبیحِ امامت کے یہ سب دانے ہیں
اُسی تسبیح کے شمسے ہیں جو پھگائے ہیں

سورۃ حمد ثناخوان ہے زمے عزت و جاہ
 سورۃ قدر ہے تو تہذیب سے ان کی آگاہ
 ان کی تکبیر کا کیا ذکر ہے ، سبحان اللہ !
 ہے تشہد بھی شہیدوں کی عبادت پہ گواہ
 بہتہ تھے تو قعود ان سے شرف پاتا تھا
 ان کی تعظیم تمام اُتھ کے بجائے لانا تھا
 عہد الطاف سے کرتا تھا نظر رب جلیل
 کبھی تکبیر تھی لب پر تو کبھی تھی تہلیل
 دم و اطمینان و مد و ہمس و [صفہ] و ترتیل
 وہ قرأت کہ عرب میں بھی نہ تھا جس کا عدیل
 عرش پر ملتے تھے قدسی شہدا کی باتیں
 تھے تو بلندے پہ زباں پر تھیں خدا کی باتیں

حضرت علی اکبر کی مقبلیت

اے طبع رسا ، صہقل شمشیر زباں ہو اے پرچہ الماس ستن ، نور فشاں ہو
 اے شمع ذکا ، روشنی بزم جہاں ہو اے مو قلم ، اُٹھلے کاغذ پہ رواں ہو
 ہر چشم کو صورت نظر آجائے نبی کی
 تصویر کھلچے صاف رسول عربی کی
 انلیم ڈریا سے قلم باج ستاں ہے کاغذ ورق مہ کی طرح نور فشاں ہے
 نقطہ پر یہ درخشندہ ستاروں کا گماں ہے حسن رخ ہمیشگی محمد کا بھاں ہے
 وہ حسن کہ خورشید بھی پروانہ ہے جس کا
 مصباح دل انجمن انسانہ ہے جس کا
 وہ نور جو ہے نور مہیں خاق مہیں مشہور اُس نور کے ہمیشگی کی تصویر ہے منظور
 ہاں برق [۱] قلم قطع ، ہوشاخ شجر طور ادر حل ہو سہاگی کے عوض مردمک حور
 [شلمجرف] کی جا سرخی روئے شفق آئے
 خورشید درخشاں کا طلائی ورق آئے

حضرت زینب کے پسر

زینب کے بھی کہا صاحب اقبال پسر تھے
دونوں چہلمستان و فسا کے گل تر تھے
کہنے کو وہ لڑکے تھے یہ شہروں کے جگر تھے
فدروں میں تھے خورشید ستاروں میں قمر تھے
عاشق تھے دل و جاں سے امام ازل کے
دو گوہر زایاب تھے رشتے میں علی کے

لاکھوں برس ایسے گل رعنا نہیں ملتے
موتی تو بہت پر در یکتا نہیں ملتے
اسباب حشم خلق میں کہا کیا نہیں ملتے
لیکن یہ جواہر کبھی اصلا نہیں ملتے
اب تک نہ کسی صاحب اقبال نے پائے
یہ لال فسق فاطمہ کے لال نے پائے

حضرت علی کا نام

نام خدا، یہ نام ہے شمع سوراخ دل
سینہ ہے کوہ طور تجلی ٹھکانے دل
دکھ میں دوائے دل ہے مرض میں شفاء دل
دل اس کے واسطے یہ علم ہے براے دل
کرسی کے ساتھ رفعت عرش بریں بھی ہو
نام علی ہو نقش تو اعلیٰ نگین بھی ہو
ہر درد و غم میں باعث آرام ہے یہ نام
کھف الانام دافع آلام ہے یہ نام
ورد ملائکہ مسحر و شام ہے یہ نام
اعظم جو سب میں نام ہے وہ نام ہے یہ نام
تائید اس کی یوسف کنعان سے پوچھے
اس نام کے اثر کو سلیمان سے پوچھے

صبح کا نور

آمد وہ آفتاب کی اور وہ سحر کا نور کافور ہو گیا تھا فلک پر قمر کا نور
 بالائے تھا نخل طور سے ہر اک شجر کا نور پھیلا تھا چاندنی کی طرح دشت و درکانور
 فلجوں کے منہ جو صبح نے شبنم سے دھوئے تھے
 گویا گلوں نے عطر میں چہرے دبوئے تھے
 بستان کریم کی وہ بو یاس وہ بہار مرغان خوشنوا کا چہکنما وہ ہار ہار
 کوکو وہ قدریوں کی ' وہ طاؤس کی پکار نالے وہ ہلبلیوں کے ' وہ سبزہ ' وہ لالہ زار
 کرتے تھے وجد کبک لاری کوہسار میں '
 بن میں فزال معصو تھے ' ضیغم کچھار میں

حضرت عروہ و معبد کی جنگ

بڑھ بڑھ کے پھر نکتہبوں نے جلدی جمائی صف
 جھک جھک کے پھر اُٹھے علم فوج ہر طرف
 پھر ' نافرمانک پہنچ گئی آواز کوس و دف
 پھر فوج میں دھلے اسد بھشہ نجف
 جاتے تھے نعرے مار کے یوں ہر سوار پر
 جس طرح شہر بھوک میں جھپٹے شکار پر
 ہلچل پروں میں پڑ گئی ' فازی جدھر گئے
 اُٹھوں صفوں صفوں پہ ' نمازی جدھر گئے
 کھپلا شکار ' شہر حجازی جدھر گئے
 اک نازہ آفت آگئی ' نازی جدھر گئے
 کھونکر آریں نہ ہوش ' جب ایسی ہوا چلے ؟
 ہرنوں کا زور شہر کے بچوں سے کیا چلے ؟

وہ نہمچے چمک کے برابر جدھر چلے دو کر دیا اُسے اُسے چورنگ کرچلے
 ہر میں لباس سورج پہن کر نکھر چلے کاترنا کھل گیا کہ یہ جس فرق پرچلے
 دامن بچا سہر کا ' نہ چھوڑا کمالد کو
 معراض بن کے قطع کیا بلد بلد کو

حضرت عباس کی جنگ

یہ سن کے بڑھے سب قدر انداز قضا را نعرۂ اسد حیدر گراا نے مارا
صحرایے پر آشوب لگا گونجنے سارا معلوم ہوا شور، فوستان میں ڈکارا
اُڑتے ہوئے مرفان چمن دشت سے بھاگے
صحرایے چلے شیر، ہرن دشت سے بھاگے
بڑھتے تھے کہ دھوار کی گردن پہ لگا تیر آتا تھا ادھر سن سے کہ توسن پہ لگا تیر
کھینچا اُسے گردن سے کہ جوشن پہ لگا تیر پھر تاب کہاں، شیر کے جب تن پہ لگا تیر
اُس خشم میں پُر خشم فزون ہو گئیں آنکھیں
کلوں [۱] کا لہو دیکھ کے خوں ہو گئیں آنکھیں

تلوار

کس گر و فر سے لہج پہ تیغ جری چلی ہر سر پہ کھیلتی ہوئی گویا پری چلی
خشکی پہ گم [۲] چلی کبھی سوئے تری چلی خالی کیا صفوں کو لہو میں بھری چلی
ظاہر تھی بانکپن سے کجی، رنگ لال تھا
تلوار تھی کہ خوں کی شفق میں ہلال تھا
زیر سپر اُزا کے کلائی نکل گئی چار اُئلے میں برق سی آئی، نکل گئی
فولاد کو دکھا کے صفائی نکل گئی دل میں لگی، جگر میں سمائی، نکل گئی
جوشن میں بھی تھما نہ گھا اُس حسام سے
یوں نکلی جھوسے ماہی بے آب دام سے

دکھلا دھی تھی تیغ دو دم تیز دستیاں چشمک پہ تھی کہ اور کرو بت پرستیاں
کافر شراب کفر کی بھولے تھے مستیاں فل تھا آج گمیں گئی شہروں کی پرستیاں
کہتے تھے اب نہ پانو، نہ قابو میں ہانہ ہے
جائیں کدھر، غلیم اجل ساتھ ساتھ ہے
بجلی سی کوندتی کبھی ہالوں پہ چل گئی بیٹھی ادھر تو ہر چہیوں والوں پہ چل گئی
تیروں پہ گہ چلی کبھی تھالوں پہ چل گئی کہ پیدلوں پہ، گاہ رسالوں پہ چل گئی
تائید تھی جو فائز بدر و حنین کی
لشکر میں شور تھا کہ دھائی حسوں کی

وہ تیغ کیا بڑھی اجل جاں ستاں بڑھی یا اڑدے کے منہ سے نکل کر زباں بڑھی
یا برق 'ابر سے طرف آسمان بڑھی یا سیل 'کوا سے سوے آب رواں بڑھی
دیکھی نہ جائے امن جو دارالفساد میں
خالی کی شہسوار نے گاتھی جہاد میں
یوں مہمان سے ہوئی وہ جلالت قربیں جدا فل تھا کہ دست برگ سے ہے آستیں جدا
تن سے جدا ہے روح 'مکمل سے مکمل جدا معلم جدا ہوں آیت فتح مہوں جدا
دخ سے وہ ہٹ گئی جو ردا تھی رکی ہوئی
گوپا دلہن [محضانی] سے نکلی چھکی ہوئی
جب سرکشوں نے تیر لگائے جلاب کو تو لاجری نے ہاتھ میں تیغ خوہں آب کو
لے دم 'یہ تاب کب تھی پھر اُس برق تاب کو دیکھا اُٹھا کے سر 'سپر آفتاب کو
چمکی تو "یا حفظ" ملک کہ کے ہٹ گئے
[تھرا] کے سب خطوط شعاعی سمت گئے

بھڑکی اک آگ 'برق جدھر آئی تیغ کی تھذا تھا 'جس نے گرم ہوا کھائی تیغ کی
وہ صف دری 'وہ معرکہ آرائی تیغ کی تھی دور سے اجل بھی تماشاں تیغ کی
قبضے میں موت تھی 'تو اجل اختیار میں
بسمل بھی لوتے تھے مزا تھا یہ وار میں
جدھر میں 'کس میں 'گات میں 'وہ لاجواب تھی فاری جو آگ تھی تو وہ شمشیر آب تھی
بڑھنے کی برجھوں کو نہ تیروں کی تاب تھی بے چلہ ہو کمان کھانی خراب تھی
افتادہ تھیں زمیں پہ سناہوں نگی ہوئی
خلیج دکھا وہ تھے زبانوں گئی ہوئی
کٹ جائے جب زباں 'تو بشر کام کھا کرے؟ زیں سے نہ کھلیج سکے 'تو تیر کام کھا کرے؟
بجلی کرے 'تو مغفر سر کام کھا کرے؟ تیغ اجل کرے 'تو سپر کام کھا کرے؟
موت آئے جب 'تو قلعة آہن بھی ھچ ھ
چار اُٹھنے بھی ھچ ھ 'جوشن بھی ھچ ھ

اُس قول میں موت آئی جدھر آگئی تلوار دھالوں کی ٹھٹھا فرق سے سرکا گئی تلوار
اک دم میں لہو خاک پہ پرسا گئی تلوار جو آگیا قبضے میں اُسے کھا گئی تلوار
نہی ختم صفائی زبس اُس آفت جاں پر
دیکھاتو نہ مذہ پر کہیں خون تھا نہ زباں پر

حضرت عباس کا گھوڑا

ستھراؤ کر دھی تھی اُدھر تیغ سربلند
 پیامال کر رہا تھا اُدھر فوج کو سمنند
 گودھ تھی اُس کی آہوے خورشید سے دو چاند
 سرعت سے جست و خیز سے دم تھا پری کا بند
 جس پر دکھا جھپٹ کے قدم وہ فلنا ہوا
 پھرتا تھا فوج شام میں بجلی بدلا ہوا
 چمکے چو نعل، تیغ چکاروں پہ چل گئی
 شوخی سب آہوان ختم کی نکل گئی
 چاروں سموں سے اُس کے صبا منہ چو مل گئی
 سمٹا لیا بدن کو، کلوٹی بدل گئی
 اُڑنے کا تہات دیکھ کے پریاں اُچھل پڑیں
 سہلے سے منہ ملا دیا آنکھوں نکل پڑیں
 دو مل کے جلمگجھو اُڈر اُٹے پے نہر
 جولاں کیا دلہر نے رخس جہاں نور
 بس ایک ضرب تیغ میں دونوں تھے گرد ہر
 بسمل اُدھر یہ گرم زمیں پر اُدھر وہ سرد
 گرتے ہی بلند جامہ ہستی کے کھل گئے
 معلیٰ ہر اک پہ تیغ دو دستی کے کھل گئے

گھوڑا

غل تھا پری خصال ہے شیدیز برق [ناز]
 تھمتا نہیں زمین پہ، اللہ دے، تیرا ناز
 طاؤس دشت میں، تو ہوا پر ہے شاہباز
 بجلی کی ہے تڑپ وہ جواہر نگار ساز
 نوری کا حسن چہرے سے پھدا ہے گرد مہں
 تصدع الصلک کو باندھے ہے رستم نہر دسہں
 پاکھر ہے آہلی، کہ ہے جوشن مہں جسم سام؟
 لہلی کے دونوں ہاتھ مہں گردن مہں، [ہا] لگام

و خشاں رکاب ہے ، کہ ہلال فلک مقام ؟
 اُتلا ہو تیز گم ، فرس کا نہیں یہ کام
 اُڑنا سمت سمت کے قریب ہے شہر کا
 آہو کے ہاتھ پانوں میں ، سینہ ہے شہر کا
 بکھرے ہوئے ایال کے گردن پہ بال تھے
 صاؤس سرنگوں تھے پریشاں فِزّال تھے
 ابتر تھے مورچے ، تو پرے پائمال تھے
 خوں کی حلقا سے [زبانوں] کے پانوں لال تھے
 تھکتا نہ تھا کہ اُس کے قدم راہ حق میں تھے
 نعلوں کی فو سے چار مہ نو شفق میں تھے
 جب دور دور ہست گئے نزدیک سے عدو
 تھہرا فرس کو روک کے دم بھر وہ نہکتو
 ناکہ وہاں سے ایک سلسلہ شور چلک جو
 آیا اُڑا کے رخصی کو اکبر کے رو برو
 نعرہ کیا کہ دستم و شہراب و سام ہوں
 میں یکے تاز فوج دلہرانِ شام ہوں

—————
 جناب امام کا سر

اُس وقت پہنچی زینب ناشاد [و] نوحہ کر
 جب شہر ہاتھ میں لے جاتا تھا شہ کا سر
 بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفوں اُدھر اُدھر
 رخسارے دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
 تھی خاک ، سجدة گاہ چہیں پر حسن کی
 آنکھوں کھلی تھیں فاطمہ کے نورِ عین کی
 قرآن پڑھ رہا تھا سر ابن بو تراب
 اور دیکھ میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
 روشن تھا بعد قتل بھی رخ مٹل اُفتاب
 ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
 آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
 ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

بے وطنی

انساں کے لئے موت ہے فم بھوطلی کا
 جانکاہ ہے اندوہ و الم بھوطلی کا
 صدمہ نہیں کچھ موت سے کم بھوطلی کا
 آفت ہے قہامت ہے ستم بھوطلی کا
 فریت مہوں چمن ہے خس و خاشاک سے بدتر
 گر تخت سلیمان ہو تو ہے خاک سے بدتر
 ہمراہ جو سو طرح کی راحت کا ہو سامان
 پڑمردگی دل نہیں جانی کسی علوان
 پھرتا ہے نظر مہوں چمن بزم عزیزاں
 ہوتا ہی نہیں غلچہ خاطر کبھی خلداں
 ہر گام پہ چشموں سے چھلک پڑتے ہوں آنسو
 شہنم کی طرح رخ پہ ٹپک پڑتے ہوں آنسو
 یہ حال مسافر ہی پہ کچھ خوب ہے روشن
 بلبل بھی پھوکتی ہے جو چہتتا ہے نشوون
 یاد آتی ہے آسودگی راحت مسکن
 ہوجانا ہے دافوں سے جگر غیرت گلشن
 سیچ ہے کہ فم بھوطلی سخت الم ہے
 پھر آنے کی اُمید نہ ہو جب ' تو ستم ہے

سلام

مزا نہیں ہے خموشی کا خوش بھان کے لئے
 زباں سخن کے لئے ہے سخن زباں کے لئے
 نہ سوئے رات کو امت کے فم سے ختم رسل
 مصافحہ مہوں کہاں نولڈ پاسہاں کے لئے ؟

ریاض دہر مہوں ہم مثل سرو مہوں آزاد
 سوائے بے ثمری کچھ ثمر نہیں رکھتے
 ہنر کو عیب سمجھتے ہیں اِس زمانے مہوں
 ہزار شکر کہ ہم کچھ ہنر نہیں رکھتے

مسافران عدم کس طرف گئے پیارب ؟
کہ وہ ہماری ' ہم اُن کی خبر ' نہیں دیکھتے

عقدہ سلک گہر ' اے دیدہ تر ' کھول دے
اہر نہساں پر برس کے اپنے جوہر کھول دے
گور ہوا ' بلند نقاب روے سرور کھول دے
گور مادر زاد ' آنکھیں مثل اختر کھول دے
تھرگی ظلمات کی کیا تھی سواہی اِس کی آنکھ
قبر ہے یہ قبر ' آنکھیں ' اے سکندر کھول دے
دست قدرت ہے کسی کا یہ کہ پھر باندھے اُسے ؟
جس گرا کو ناخن تدبیر چھدر کھول دے

تمام عمر تو بیداریاں رہیں افسوس
سنبھال چمکے لگے تو چونکے ہم
کھلی تب آنکھ کہ جب سر پر آفتاب آیا

خود نمائی تلک ہے روشن دلوں کے سامنے
کس طرح ظاہر کرے باطن کا [۱] جوہر اُٹھ

حشر تک اُن کی چمک میں نہ زوال آئے گا
دیکھ ' اے چاند ' مرے آنسوؤں کے تاروں کو

کدھر تلاش کریں تم کو ' اے عدم والو '
کہاں گئے ؟ کہ کہیں نقص پایا نہیں ملتا

اندلی اعلیٰ سے بڑھ گئے ہیں ' قطرے دریا سے بڑھ گئے ہیں '
کم ظرف حباب ہیں یہ سرکش بے مغز ہوا سے بڑھ گئے ہیں

خلی دل کی بے چہن دیکھتی ہے ' پیارب '
یہ کانتا نکل جائے پہلو سے میرے

دیکھ عہوت سے ذرا گور غریباں کی طرف
استخوان قبر کے اندر ہیں ' تو پتھر باہر

سلامی جس کو سمجھتے ہیں سب کہ ماہ یہ ہے
 نشان کنہں رسول فلک پناہ یہ ہے
 کیا ہے چرخ چہارم نے تاج سر جس کو
 سر بلال کی اُتری ہوئی کلاہ یہ ہے
 جہاں مہن زیست ہے اک دم کی روشنی ”مونس“
 ہمیشہ اس کو سمجھ شمع صبح گاہ یہ ہے

گرچہ مالدکداں گوشہ نشین ہے ”مونس“ تھر آہوں کے نکل جاتے ہیں اکثر باہر
 فیض خاموشی نے ذکر خوش بیانی کر دیا ہر سر مو کو زبانِ بے زبانی کر دیا
 آئی بالوں مہن سفیدی ، تاکجا یہ غفلتوں ؟
 ”مونس“ اب چونکو کہ آ پہنچا ہے سر پر آفتاب

رباعیات

مولا، یہ ظہور سب ہے دم کا تھرے خورشید نشان ہے قدم کا تھرے
 کہتے ہیں بہشتی جسے نہر کوثر اک قطرہ ہے دریائے کرم کا تھرے
 ضائع نہ کر آفریں کے پالے دل کو؛ کرتے ہیں پسند درد والے دل کو
 منظور اگر ہے زاد راہ حقّی سب چھوڑ کے دنیا سے اُٹھا لے دل کو
 تھر قم شہ سہلے مہن پھوسکتے ہے ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
 ہر رنگ کے دل جمع ہیں اس محفل میں یہ بزم عزا خلد کا گلدستہ ہے
 خاموشی مہن یاں لذت گویائی ہے آنکھیں جو ہیں بلد عین بیہائی ہے
 نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد مرتد یہ عجب گوشہ تنہائی ہے

نفیس

مہر خورشید علی "نفیس" مہر انہس کے بڑے پیارے نہایت منکسر مزاج، قابل اور خوش گو شاعر تھے۔ اردو میں اپنے والد مہر انہس ہی سے اصلاح لیتے اور فارسی میں مفتی مہر محمد عباس سے مشورۃً سخن کرتے تھے۔ ان کے مرثیہ کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ۸۵ برس کی عمر میں ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۱ء) میں وفات پائی [۱]

صفائی اور روانی میں مہر انہس کا رنگ چہلکتا ہے، زبان نہایت صاف اور سلیس ہے۔ بیان میں شگفتگی اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ توانی بہت لاتے ہیں، مہر انہس کی طرح ان کے مرثیوں میں بھی بلند والا شعر اکثر بہت بلند ہوتا ہے۔

مرثی

تعلیٰ

اُس سے کامیوں نوشندۂ ہوں مستی نہیں جس میں
حاصل وہ بلندی ہے کہ پستی نہیں جس میں
آوارۂ صحرا ہوں گوستی [۲] نہیں جس میں
اُس ملک میں بستا ہوں کہ پستی نہیں جس میں
رنجش نہیں، کھٹکا نہیں، آزار نہیں ہے
اُس باغ کا بلبل ہوں جہاں خار نہیں ہے

۱۔ تاریخ ادب اردو ص ۳۴۲ ج ۱۔ و تذکرۂ آب بقا۔ [۲]۔ ند (کا ہستی)۔

سرگشتہ و شہیدائے مصیبت ہوں ازل سے
 آلودہ رنج و غم و مصیبت ہوں ازل سے
 باشکستہ ویرانہٴ زحمت ہوں ازل سے
 مستغرق دریائے مصیبت ہوں ازل سے
 سب رو دیے [۱] جب میں نے دم سرد بہرا ہے
 رگ رگ میں مری 'خوں کے عوض درد بہرا ہے
 وحشت دل عالم کو ہے ویرانے سے مہرے
 آرام زمیں کو نہیں گھبرانے سے مہرے
 راحت سے کوئی دل نہیں غم کھانے سے مہرے
 بلبل کا جگر چاک ہے چلانے سے مہرے
 وہ کون سے گل ہوں جو پریشاں نہیں ہوتے
 فلچے بھی مجھے دیکھ کے خلدیں نہیں ہوتے

رجز

دن سے اسد اللہ کے پیہرے نہیں ہتکتے
 گردوں پہ جو ثابت ہیں ستارے نہیں ہتکتے
 اشرار کو بے جان سے مارے نہیں ہتکتے
 بڑھتے ہیں تو پھر پانو ہمارے نہیں ہتکتے
 دے جن کو خدا آج وہ جھکتے ہیں کسی سے ؟
 بہتے ہوئے دریا کہیں رکتے ہیں کسی سے ؟

حضرت علی اکبر کا سراپا

بخشی ہے خدا نے انہیں توقیر محمدؐ
 گیسو ہیں کہ ہے زلف گہرا گہر محمدؐ
 چہرہ ہے کہ آنکھ تھکے تصویر محمدؐ
 بانوں میں ہے رنگین تصویر محمدؐ
 شوکت وہی [پوشش وہی] دستور [۲] وہی ہے
 نقشہ وہی 'انداز وہی' نور وہی ہے
 کھسورے دل آویز ہیں یا سہیل جلت؟ یہ روئے دل افروز ہے یا صبح صباحت؟

رخسار میں یا جلوۂ آئینہ قدرت ؟ آنکھیں ہیں کہ سرچشمۂ اعجاز و کرامت [۱]؟
طالب نہیں پانی کے ، چھا مہر دھن ہے
یہ آنکھ میں پتلی نہیں گھونکتی میں دھن ہے

آمادگی جنگ

بچوں نے آستینوں کو آلتا جلال میں کچھ ثبوت سپاہ نہ لائے خیال میں
یوں نیمچے علم کئے جنگ و جدال میں دو بجلیاں چمک گئیں دشت قتال میں
آمادۂ نبرد جو دونوں چری ہوئے
شکلیں بلما بلما کے فرس بھی پری ہوئے
دو بجلیاں سی کووند گئیں دن میں دو طرف فل "الامان" کا نہا صف دشمن میں دو طرف
سر لوٹتے تھے خاک پہ اُس بن میں دو طرف نہا طرفہ تفرقہ سر و گردن میں دو طرف
پیدل میں تھی نہ جان ، نہ دم تھا سوار میں
ساری صف آدھی ہو گئی پہلے ہی وار میں

تلوار

یہ تیغ وہ ہے سہل فنا کہتے ہیں جس کو
یہ برق وہ ہے قہر خدا کہتے ہیں جس کو
بازہ اس کی وہ آفت ہے بلا کہتے ہیں جس کو
ملہ اس کا وہ ملہ ہے کہ قضا کہتے ہیں جس کو
جانی نہیں بے جاں لہے جب آتی ہے سر پر
ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کب آتی ہے سر پر

میدان جنگ

طلحہ و زہر کا وہ شور ، وہ شہباز [۲] کا خروہش قرنے کی وہ صدا کہ پھٹیں پردہ ہائے گوش
غوغائے زیر و بم سے لہو سارقا تھا جوش نے کی صفیر تھی کہ آئے طائروں کے ہوش
سارے درندے شور دھل سے دھل گئے
صحرا کے شہر چہرے کے جنگل نکل گئے
پہم پکارتے تھے نقیبان زشت خو نام آوروں کو دھتی ہے عزت کی آرزو

[۱]—نک (اعجاز کرامت) -

[۲]—شہباز و شہباز ، پر وزن ہے نور : نائے رومی ! برہان قاطع و فرہنگ اندراج -

جانہیں لڑا دو آج ، جوانو ، کنار جو موتی کی آب ہے جسے کہتے ہیں اُبرو
 کرلو اسدہ یوں انہیں حلقے میں گھیر کے
 جس گھات سے پکڑتے ہیں بچوں کو شہر کے

دھاروں کی تعریف

جس صف پہ جس پرے پہ یہ گھوڑے ڈپٹ کے آئے
 یوں آئے جیسے شہر گرسنہ چھپٹ کے آئے
 مثل نگرگ دپٹ پہ سر تن سے کٹ کے آئے
 گھوڑوں سے خاک پر تن بے سر اُلت کے آئے
 سب خاک میں ملے جو غرور اُن کے سر میں تھے
 سہیلوں میں گردنیں تھیں ، تو سہیلے کمر میں تھے

نور

مہر وزیر [۱] ”نور“ مہر بادشاہ لکھنوی کپتان فیروزپور کے بیٹے، فتح پور میں دیوانی کے سررشتہ دار تھے۔ راجد علی شاہ کے زمانے میں امین ہوئے۔ ان کے والد اُس زمانے کے مشہور مرثیہ گو تھے۔ ”نور“ کو ابتدا ہی سے شعر و سخن کا ذوق تھا۔ شیخ امام بخش ”ناسخ“ نے ”نور“ کو تخلص تجویز کر کے اپنے شاگرد رشید مرزا محمد رضا ”برق“ کے سہرہ کہا۔ ان کا دیوان ”ھیائے نور“ کے نام سے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) میں چھپ چکا ہے۔

تغزل میں ”ناسخ“ کا رنگ ہے، رعایت لفظی کا برا خیال دکھتے ہیں،
 اِس لیے غزل کی خصوصیت مفقود ہے۔

غزلیات

اے بتو، ہجر کی تکلیف کو کہا پوچھتے ہو؟
 رنج وہ دل نے اُٹھایا کہ خدا یاد آیا

نہ داد ملتی، تو پھر داد خواہ کیا کرتا؟
 خدا کے سامنے عذر گناہ کیا کرتا؟

مواخذہ نہ بتوں سے تھا حشر میں منظور،
 خدا کو ظلم و ستم کا گواہ کیا کرتا؟

کسی میں نام کو بڑے وفا نہیں باقی :
 ہر ایک گل چمنِ روزگار میں دیکھا

سفید بال ہوئے موسمِ جوانی میں
 خزاں کا رنگ شروعِ بہار میں دیکھا

دل میرا محو یادِ الہی تھا اے بتو،
 تم آنے سامنے تو مرا دھیان بت گیا

کہلے دو، اگر خلق برا کہتی ہے مجھ کو ؛
 وہ کون ہے جو عشق میں رسوا نہیں ہوتا ؟

[۱]—مفتن شعرا میں میر وزیر علی نام لکھا ہے۔

شکلِ گل ' زرد ہمیں خدا دے گا : جو بگاڑے گا وہ بنا دے گا

پھرتے ہوں آسما کی طرح فکرِ رزق میں :
اس کی نہیں خبر کہ ملے گا کہاں سے کہا ؟

کہوں ' آڑا کر ' اے صبا ' مٹی مری برباد کی ؟
خاک پاے پیار تھا ' گرد پہاڑاں ' میں نہ تھا ؟
قطع ' اے دل ' کب ہوا چوہ جٹوں کا سلسلہ ؟
کب اسہر حلقہ گھسے پہچان ' میں نہ تھا ؟

بارِ فراق پیار بھی بارِ عظیم ہے ' اے آسمان ' یہ بوجہ اُتھے گا زمیں سے کب ؟

خالی نہیں کٹائے سے صاحب کی کوئی بات :
ثابت ہوا ہمیں کہ نہایت ہوں دور آپ

بلے ہوں خون کے دھبوں سے طرفہ گل بوٹے :
ترے شہید کے زخموں سے ہے کفن کی بہار

لائی ہے "نور" مجھ کو خرابیات دھرمیں ملک عدم سے عالم ایجاد کی ہوس
پہنچا ہے جستجو میں تری کوہِ طور پر اللہ دے ' تھرے طالب دیدار کی تلاش !

ہے دل کو چشمِ ساقیِ گلفام سے غرض :
شیشے سے مدعا ہے نہ کچھ جام سے غرض

نغمہ سلجی سے تری ' دل کو مزا ملتا ہے
پھر اُسی لطف سے کر ' باغ میں نالے ' بلبل

✓ اے بتو ' ہم نے تم کو پہچانا بخدا ' قدرتِ خدا ہو تم

✓ یہی دو بول کہہ کے ہمارے ہیں : تم ہمارے ہو ' ہم تمہارے ہوں

ظاہر ہے بے ثباتیِ گلِ باغِ دھرمیں ہم کس امید پر ہوس رنگ دیو کریں ؟

ہے دل پروانہ سوزاں بزم میں شمع یہ روشن سر محفل نہیں

یار کا حال مسامی ہے مری جانب سے :
نہ برا کہتے ہیں ظاہر میں ، نہ اچھا دل میں

نہ مصرصر ، نہ باد صبا چاہتا ہوں ؛ جنوں خیز ہو ، وہ ہوا چاہتا ہوں
مجھے دوست دشمن براہر ہیں دونوں : یروں کا بھی اے دل ، بہلا چاہتا ہوں

چڑھا ہے نشتہ زر ، رات دن بھہوش رہتا ہے :
خبر اپنی نہیں منعم کو ، فافل اس کو کہتے ہیں

✓ جب سے اُس گل نے گرایا آنکھ سے ، سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں
اب گذارے پر جہاز عمر ہے ؛ ایک دن دریائے غم سے پار ہوں
لشکر دیوانگان مہم راہ ہے ، میں جنوں کا قافلہ ساآر ہوں

دورِ فلک کے ہاتھ سے جاؤں کہاں نکل کے میں ؟
کون سی وہ زمین ہے جس پہ یہ آسماں نہیں ؟

شکوہ چورِ بےعاشقِ مومن لا حاصل ہے ؛ رنج اُٹھانے کو بدایا تھا خدا نے ہم کو
سائے کی طرح رہے ساتھ پریرادوں کے : آپ پامال کیا اپنی وفا نے ہم کو
اے دل ، فراق یار میں لے چل وہاں مجھے ، جس جا یہ آسمان نہ ہو ، یہ زمیں نہ ہو

دل بدایا جس نے اُس کی شان دیکھا چاہے
کہا مکان کو دیکھتا ہے ؟ سوے صاحب خانہ دیکھ

کہا نشانِ دوس کہ رشک آتا ہے ؟ میں چلوں آپ نامہ بر کے ساتھ
آگے مڑے دھری رہیں شب بھر گلابیاں ؛ دیکھا کہا میں ساقی پیمان شکن کی راہ
انہیں تو اُنڈھ مد نظر ہے ، یہاں دو دو پہر زانو پہ سر ہے
✓ تمام رات مجھے بےقرار رکھتا ہے : مڑے عجیب ترا اِنعطار رکھتا ہے

برق نگاہ یار بھی کہا [۱] کام کر گئی عمر دو روزہ ایک نظر میں گذر گئی
وہ آچکھیں ، تو روح کرے جسم سے سفر یارب ، ہلاک ہوں میں مسوکتا کے سامنے

✓ پاس جانا کہاں نصیب ہموں ؟ دور سے دیکھنا غلہمت ہے
 ✓ رات دن اُس کا نام جھٹتے ہوں : عاشقوں کی یہی عبادت ہے
 تیرے قدموں پہ دم نکل جائے : بس یہی دل میں ایک حسرت ہے

یہ مسمت تھے کہ موٹر نہ ہم کو پلند ہوئی
 کھلی حقیقت دنہا جب آنکھ بند ہوئی

ہم جو تھے ملک عدم میں تو بڑی راحت تھی
 رنج اُٹھانے کے لئے جانب دنہا آئے

✓ نہ دیا ساتھ مصہبت میں کسی نے ایذا خوب ہم الفت یاران وطن دیکھ چکے

زاہدا ' عشق مجازی ہے حقیقی کی دلیل :
 عشق کامل جو بتوں سے ہو ' خدا ملتا ہے

یارب ' مدام اوج پہ حسن بےاں رہے مثل زمیں قدم کے تلے آسماں رہے

تپ فراق کی سوزش کو پوچھتے کیا ہو ؟
 جگر میں آگ لگی ہے ' بجھا نہیں سکتے

..... حال قسمت کا جواب خط جانناں سے کھلے
 وہ جو نامہ مجھے بھیجے خط تقدیر بلے

ہم سا عالم میں نہ ہوگا کوئی گم کردہ حواس
 یہ نہیں یاد کہ ہم دل کو کہاں بھول گئے

شبِ درد و غم یوں بسر ہو گئی : تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی

منیر

اسمعیل حسنین ”مذہب“ سید احمد حسنین ”شاد“ کے بیوگے شکوہ آباد ضلع
میں پوری کے رہنے والے تھے - ۱۲۲۹ھ [۱] میں پیدا ہوئے - اپنے خود نوشت سوانح
میں لکھتے ہیں کہ بچپن سے ان کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی پہلے
”ناسخ“ سے اصلاح لی ، پھر مہر علی اوسط ”رشک“ کے شاگرد ہوئے ، عرصے تک
لکھنؤ میں رہے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی - لکھنؤ ، مرشد آباد ، کانپور
کے مشاعروں میں اکثر شرکت کی [۲] ان کے تین دیوان کلیات کی صورت میں
چھپے ہیں ، نثر میں کئی رسالے ، اعلان الحق ، سراج المذہب ، تنبیہ النشأتین
بفضائل الثقلین ، امان المؤمنین عن مکائد الشیاطین ، بھی ان کی تصنیف ہیں -
غدر کے بعد ایک قتل کی سازش میں ان پر مقدمہ قائم ہوا اور کالے پانی
کی سزا تجویز ہوئی - ۱۸۶۰ع میں قید سے رہائی پائی - آخر عمر میں نواب
کلب علی خاں کے عہد میں رام پور میں قیام کیا اور یہیں ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۱ع)
میں وفات پائی -

نہایت ذہین اور پر گو شاعر تھے ، ہر صنف میں ان کے اشعار کثرت سے
موجود ہیں - قصیدے کی سی پرگوئی غزلوں میں بھی ہے - ایک ہی طرح میں
تین تین چار چار غزلیں ۳۲ اور چالیس اشعار سے زیادہ کی موجود ہیں - یہی
وجہ ہے کہ غزل میں قصیدے کا زور ہے لیکن غزل کی خصوصیات ، سوز و گداز اور
آمد کا لطف موجود نہیں - قصائد میں بھی اگرچہ سب کچھ ہے لیکن تسلسل
مضامین اور ترتیب اکثر جگہ مفقود ہے -

[۱]—دیوان اول (کلیات منیر) کے دیباچے میں جس کا تاریخی نام منتخب العالم (۱۲۶۲ھ) ہے
لکھا ہے کہ ۳۵ برس کی عمر میں منیر نے یہ دیوان تصنیف کیا تھا - اس حساب سے سال ولادت
۱۶۶۳—۱۲۲۹ھ ہوتا ہے -

[۲]—تاریخ ادب اردو ص ۲۸۱ ج ۱ - و مقدمہ دیوان اول (کلیات منیر) شکوہ آبادی -

سناجات

یہی اُمید ہے فضلِ عمیمِ حقِ تعالیٰ سے
 کہ جب تک لطفِ گردہں گنبدِ گردوں کو حاصل ہو
 نہایاں زیرِ گردوں رات دن ہو جس زمانے تک
 قمرِ خورشید سے تلویح کا جب تک کہ سائل ہو
 پسندِ خاطرِ مردمِ مرا دیوان ہو یارب
 جو دیکھے اہلِ علم و فضلِ میں وہ اس کا مائل ہو

یہ عرض ہے تری درگاہ میں خداوند! کہ تھرا دل ہوں، نہایت گناہگار ہوں میں
 مکان ہے دل کانو سے تھرا تر مہرا سیاہِ بخت ہوں، یارب! سیاہکار ہوں میں
 بلند ہے عرقِ انفعال کا طوفانِ وفورِ جرم سے اس درجہ شرمسار ہوں میں
 یہ العجا ہے کہ بہرِ نبی و آلِ نبی معاف کر مجھے، تھرا قصور وار ہوں میں

غزلیات

دیوانوں کو نہیں خبرِ دوزخ و بہشت اللہ کو ہے علمِ ہمارے مآل کا

اچھی نہیں ہر لحظہ ”مذہر“ اشکِ نشانی
 درتا ہوں نہ کھل جائے کہیں رازِ قہہارا

بہتکے پھرے دو عیالِ دیر و حرم میں ہم
 اس سمتِ کفر، اُس طرفِ اسلام لے گیا
 میں جستجوئے کفر میں پہنچا خدا کے پاس
 کہیے تک ان بتوں کا مجھے نام لے گیا

پی فہر نے شراب، مجھے بیخودی ہوئی نشہ چڑھا کسی کو، میں بیہوش ہو گیا
 طالع جگائے آپ نے اربابِ عشق کے یوسف کا حسن، خواب فراموش ہو گیا

بسمل کے بھی تزیلے کو ملتی نہیں جگہ
 کیا عرصۂ حیات جہاں، تلک ہو گھا

آنکھوں میں پھرتی ہے اُس فہرتِ لہلی کی شبوہ
 پردۂ چشم کو میں پردۂ محفل سمجھا

خلعت مجھے وحشت نے دیا وسعت دل کا
جامے مہوں مرے دامن صعدا نظر آیا
مل مل گئے مہوں خاک مہوں لاکھوں دل روشن
ہر ذرہ مجھے عرش کا تارا نظر آیا

جان کر اُس بت کا گھر کعبے کو سجدہ کر لیا
اے برہمن ' مجھ کو بہت اللہ نے دھوکا دیا

غم سہتے ہوں ' پر غمزدہ بھجنا نہیں اُتھتا
مرتے ہوں مگر ناز مسیحا نہیں اُتھتا

سہلے سے مہاں ہے دل دیوانہ ہمارا دیواروں سے چھپتا نہیں ویرانہ ہمارا
جانے کو تو جاؤ گے زرا اور تھہر جاؤ ہشیار تو ہو لے دل دیوانہ ہمارا
مدہ سے نکل آیا ہے جگر ' اُنہیں کرتے دل دیکھ لے اے ہمت مردانہ ' ہمارا
دنہاے دوں مہوں دل مجھے لایا بہشت سے خانہ خراب اور کرے گا قصور کیا

تمہارے گھر سے پس مرگ کس کے گھر جاتا ؟
بتاؤ ' آپ سے جاتا تو مہوں کدھر جاتا ؟
اجل کے بھٹس مہوں مہری تلاش کر لیتے
وہ آپ ڈھونڈ کے لے آئی مہوں جدھر جاتا

سدا دل ترا ' جان تری ' عاشق شہدا تھرا
سب یہ تھرا ہے تو پھر کس لئے " مہرا " تھرا ؟

داف گناہ ہوں گلی بستان مغفرت آئے اگر مدیلمے سے جھونکا نسیم کا

✓ آج پر کہا ہے ' ہمیشہ تھی لطافت پردہ دار
کب ترا جسم ' اے پری ' پوراہن جاں مہوں نہ تھا

دنیا و دیں سے جس نے نکالا کھڑے کھڑے
پادہں بخیر وہ دل خانہ خراب تھا
بھگانہ نہک و بد سے رہا ہر لباس مہوں
کانٹا بہار مہوں ' تو خزاں مہوں گلاب تھا

دنیا و دیں کو چھوڑ کے کس سمت گھو گیا
 ڈھونڈو یہیں کہیں دل خانہ خراب تھا

اک روز بھی نہ کوچے میں اُس کے گذر ہوا
 سو مرتبہ زمانہ اِدھر کا اُدھر ہوا
 دشت چٹوں سے نقش کف پا اُلجھ پڑا
 شکر خدا کہ پانو مروا درمہاں نہ تھا
 بجلی تھی مہربان، کبھی آتش بہار
 صد شکر، بے چراغ مرا آشیان نہ تھا
 عمر رفتہ کے تفحص کو گھا تھا لیکن
 حشر تک طالع برگشتہ نہ پھر کر آیا

اُن کے جاتے ہی نہ تھہرے گی بہار بزم عیش
 ساتھ اپنے ایک گل سارا چمن لے جائے گا

گواہ تھر نگہ بھی، اجل بھی شاہد ہے
 تمہارے سامنے میں جان بھیج کر آیا
 دنیا سے ہے باہر دل دیوانہ کسی کا
 بستے میں سماتا نہیں دیرانہ کسی کا
 ساقی کے قدم لیٹے سے کھا ہاتھ لگے گا
 دل تھام لے اے لغزش مستانہ کسی کا
 گھر پھونک دے اے برق جہاں سوز، خدارا
 چلنے ہی سے روشن ہو سہ خانہ کسی کا
 نہند آتی ہے ہر ایک کو آفوس لحد میں
 شاید کہ اجل کہتی ہے افسانہ کسی کا
 جاگی ہوئی تقدیر نہ سو جائے شب وصل
 لہ نہ کہوائے افسانہ کسی کا
 ساقی مے دیدار دیے جاٹھو لیکن
 اتنی کہ نہ لہریز ہو پیمانہ کسی کا

ایلوں کے توڑ جوڑ سے پھندے میں پھنس گیا
 مہرے گلے میں طوق ہے دستِ شکستہ کا

وصل نے لوٹ لیا دونوں کو تنہا پا کر
 آج مہرا ہے گریبان نہ دامن اُن کا
 مجھ کو تو اپنی شہادت کا نہ ہوگا دعویٰ
 ہاتھ پہچان نہ لیں خلیج و گردن اُن کا

دل میں ہمارے وحشت مجنوں نے لی پناہ
 مدت کے بعد خانہ خرابی کو گھر ملا
 نقصان کا عوض ہو زمانے میں کس طرح
 جو دن گذر گیا تہ کہی عمر بھر ملا

بے رنج اُتھائے ہو نہ سکا اقربا سے مہل
 مہرے گلے سے ہاتھ مرا توٹ کر ملا
 اپایا مڑا اخیر جوانی میں وصل کا
 قسمت سے ساری رات میں پچھلا پھر ملا
 امکان نہیں ہے وصل بے شکست دل
 دریا سے جو حباب ملا توٹ کر ملا

لے چلے نفس دنی، بار گلتے سوے عدم اسی مزدور کے سر پر دھ اسباب اپنا
 نہلند کے آنے کی لایا ہے خبر پوک اجل بلند دروازہ کر اے دیدہ بے خواب، اپنا
 دُھرا کے تھری ہاتھوں کو لہجے ہیں ہم مزا قائم مقام بوسہ لب کا، سختن ہوا
 اقبال مدد تیغ ادا نے کھے پسند میں کم نصیب ننگ کھلند و رسن ہوا
 سوداے دل نے عالم وحدت میں کی جگہ ہو گا مکان، جوش چلوں کا وطن ہوا

موسوں سے بھی ہے ربط بت خود پسند کا
 بس اب خدا ہے اپنے دل درد مند کا
 اپنے سوا نظر نہیں آتا کوئی مجھ
 مارا ہوا ہوں ایک بت خود پسند کا
 دو ایک بوندیں خون کی کسی کام آئیں گی
 کہا لہوں کے دل دکھا کے کسی درد مند کا
 تھوکر لگاتے آتے ہیں اٹھکھیلوں کے ساتھ
 اللہ حافظ اپنے دل درد مند کا
 جانتی ہے روز خاک مری آسمان تک
 ملتا نہیں دماغ تمہارے سمند کا

اپنے رتبے سے جو منظور ہے بڑھ کر ہونا
 اے قیامت، قدم پیار کی تھوکر ہونا
 مغموم، خاک نشینوں سے تعلق کب تک؟
 ایک دن ارض و سما کو ہے برابر ہونا

تمہاری کلی سے سوے کعبہ جاؤں خدا سے ترو مجھ سے ایسا نہ ہوگا
 دھ پیاد اے آفتاب قیامت، جلا کر مجھے تو بھی تھلدا نہ ہوگا

اُٹھے گا غرور اس قدر کس سے ؟ توبہ ، خدا آپ ہونگے ، تو بلدا نہ ہوگا

شاید ننگہ یار ہی اس کوچے میں تھہرے
اب تک رگ جاں میں کوئی نشتر تو نہ تھہرا

بعوں کے قد راست پر فہی ہے ناصح یہ بھیچارہ سودھا ، مسلمان نکلا
خاک ہو جاؤں جو راہ کعبہ مقصود میں مہری متی سے بنے اللہ کے گھر کا جواب
دکھا کہہ ہو کوچہ بیگانگی میں پلگو لائی تمہیں لگا کے مصحت کی راہ کہا
جو ہے بیگانہ سب زمانے سے اُس سے کہا پوچھوں کب ملیں گے آپ
کہا کہوں پہلی ملاقات کی بات رات کی رات گئی ، بات کی بات

جز مرگ کچھ نہیں مرض عشق کا علاج
بہمار پتے کے بھی نہ مریں ہم تو کیا علاج
اس شان ، اس شکوہ نے بیتاب کر دیا
تم ایسے بن کے آئے کہ بگڑا مرا علاج

ساز عشق سے نکلتی ہے نوائے صبح عہد
جائے قتل پڑھتے ہیں شہسہ دوائے صبح عہد

دل میں طمع زر ہے جدا ، آہ جدا بلد
اس شہسہ میں ہے سارے زمانے کی ہوا بلد

حال پوشیدہ کھلا سامان عبرت دیکھ کر
پتہ لہا قسمت کا لکھا لوح تربت دیکھ کر
اس قدر بھنخود ہوا آثار رحمت دیکھ کر
آنکھ سے نام پوچھا اپنی صورت دیکھ کر
جام کوثر ، دست ساقی میں نظر آیا مجھے
اُٹھ کھا آنکھوں کا پردہ ابر رحمت دیکھ کر
مدہ ہمارا جلوۂ دیدار کے لائق کہاں ؟
اپنی صورت دیکھتے ہیں تہری صورت دیکھ کر

آنسو پونچھے یاد آیا جب جوانی کا مزا
 آنکھیں ملتے رہ گئے ہم خواب راحت دیکھ کر
 اب نہیں نازک مزاجی سے توجہ کا دماغ
 اے اجل ، آنا کبھی ہلکام فرصت دیکھ کر
 تھرے بندے سر جھکاتے ہیں بتوں کے سامنے
 سجدے کرتا ہوں الہی تھری قدرت دیکھ کر

ہوگی شکست دل چو ترے دست لطف سے
 یہ شوشہ صاف ثبوت کے دے گا صدائے عشق

مہکدے مہن جلوہ گرد داغ دل روشن ہوا
 خاموش جی جلائے آنسو بہائے سن تو زبان شمع سے یہ ماجراے عشق

تقدیریں مختلف ہیں ، مگر بولتا ہے ایک
 باجے ہزاروں بچتے ہیں ، لیکن صدا ہے ایک
 اب تو روٹھے ہوئے جاتے ہو مگر یاد رہے
 خواب ہو جائیں گے ہم ، تم کو خہال آنے تک

جی بھر کے گلے خلیجِ ابرو کو لگاتے یارب ، ہمہ تن کس لئے گردن نہ ہوئے ہم
 دیکھو گے تم کبھی تو مصیبت کی آنکھ سے اُمید وار تم سے وفا ہے وفا سے ہم
 اکثر رہ دیکھتے ہیں تماشاے بے خودی اپنا مزاج پوچھیں گے اُن کی نظر سے ہم

ملزل وحدت کو کہ کڑی ہے پر یہ مصیبت اُس سے بڑی ہے
 بھکسی اپنے پوچھے پڑی ہے ہو کے اکولے جائیں کدھر ہم

کعبے سے مجھ کو لائے سوادِ کلمت میں اصلاح دی بتوں نے خط سرِ نوشت میں

اور مجھ سا جان دیلے کا تمنائی نہیں
 اُس کا شہدائی ہوں جس کا کوئی شہدائی نہیں
 یا کرو اپنا کسی کو یا کسی کے ہو رہو
 چار دن کی زندگی میں لطف تمنائی نہیں

سر کو تکررا کر مٹایا اپنی قسمت کا لکھا
دیر میں ' کعبہ میں اب فکر چھوٹ سائی نہیں

مقصود کے مانند سرِ دار بہت ہوں _____ حق ایک کا ہے کہنے کو حقدار بہت ہوں
بیعت خلاف عقل گوارا نہیں مجھے _____ روز ازل سے پیور خرد کا مرید ہوں
جان پوچائے بجائے ایک چٹکی تم اگر _____ طائر رنگ حنا بولے تمہارے ہاتھ میں
کھینچ سکے تصویر ' بہتابی میں کیا _____ ایک صورت پر رہا جانا نہیں

پہنچا جو تیرے کوچے میں خود رفتہ ہو گیا
جانا رہا میں آپ سے راہِ نجات میں

اے بت ' یہ ہے نماز ' کہ ہے گہات قتل کی ؟
لوٹ ادا کی ہے ' کہ اشارے قضا کے ہوں ؟
اے بت ' ہمیں ہیں عاشقِ یک رنگ دھر میں
سب برہمن حضور کے ' بلندے خدا کے ہوں
پہچاتے ہوں حضور کے ظلموں کی صورتوں
ہم بت تراش آپ کے سنگِ جفا کے ہیں

لالہ بے داغ اے بادِ صبا ' ملتا نہیں _____ باغِ عالم میں دل بے مدعا ملتا نہیں
مال جہاں سے تیر کی مٹی ہی پائے گا _____ ہے ایک مہشت خاکِ نصیب بخیل میں
لوٹیں بہارِ آتشِ رخسار ' بلبلیوں _____ صیاد کا گذر نہیں باغِ خلہل میں
بعدِ مردن لحد میں گرتے ہوں _____ گھر تو بستا ہے ہم آجوتے ہیں
ساتھ دے کون راہِ اُلفت میں _____ پانورں سے نقشب پا بچھڑتے ہیں

چراغ لے کے جسے تھونکتے ہوں پروانے
ہمارے دل میں ہے وہ شمع ' انجمن میں نہیں

راہ میں صورتِ نقشب کف پا رہتا ہوں _____ ہر گھڑی بلنے پگڑنے کو پوا رہتا ہوں
بھک کر جلوۂ مستانہ آیا دل کے چہالے میں
شرابِ عیشِ دی ساقی نے پر توڑے پھالے میں

تم نے گم نام و حریف تو مجھے لکھا ورنہ نام کو بھی خط تقدیر میں القاب نہیں

انظر دریا دلوں کو کب ہے بازاری حسدوں پر
 انہوں قطرۂ سمجھ چکے گھڑوں پر جو پھسلے ہیں
 ہجوم نزع میں روح رواں سے جسم کہتا ہے
 ذرا اے سانس، دم لے لے کہ ہم بھی سانہ چلتے ہیں

یہ نہیں ممکن وہ غہروں پر خفا ہو، نہیں نہ ہوں
 جس جگہ میرا مقدر لڑ رہا ہو میں نہ ہوں

تھہری ہوائے ہار دل چاک چاک میں ہم نے نفس میں بند کیا ہے نسیم کو
 خلیج ناز سے جب چھوڑتے ہو تم مجھ کو دھن زخم سکھاتے ہیں تبسم مجھ کو
 کوئی حیلہ تو تعارف کا خوشی سے نالے کاش تقدیر ہی پر آئے تبسم مجھ کو

سب کہتے ہیں حور ہو، پری ہو کچھ ہم بھی کہیں، جو آدمی ہو
 قصے میں دھوئے آگ کب تک لو ہوش میں آؤ، آدمی ہو

رونا لازم نہیں دم نزع مہر و رخصت ہنس خوشی ہو

بخشش کی آبرو نہیں دھتی نمود سے
 یوں چھپ کے دو کہ دست گدا کو خبر نہ ہو
 چھپ کر لگا لوں کعبۂ مقصود کا پتہ
 یوں تھوڑے لوں کہ قبلہ نما کو خبر نہ ہو

تھوڑی چوڑا کے پوچھتے ہو، عرض کیا کروں
 سوچے گی دل کی بات کرم کی نظر تو ہو

حبا آئینہ کو بھی روہرو آنے نہیں دیتی
 ترستی ہی رہیں گی تھری آنکھیں تھری صورت کو

سلتا ہوں کہ پہنچتی کوئی فریاد اثر تک
 اے پاس، خبر لے کہیں مہر نہ دھا ہو

روز فراق یار کی کس طرح شام ہو _____ صبر ابد ملے تو یہ دن بہر تمام ہو

شب فراق بسر یارب ' آہر سے ہو _____ نماز صبح قہامت اسی وضو سے ہو

مدت سے چھڑی ہیں زمین و فلک ترے _____ آٹھنڈے دو رویہ میں اپنا جمال دیکھ

حبیب میں جب یاد آئیں وہ آنکھیں _____ طاق حرم پر رکھ دی توبہ

پھر مے پی کر مانتا کوتا _____ پہوٹی قسمت توٹی توبہ

نہ پھولوں تاکہ راحت میں بھی آزار مصیبت کو

مرے ہر بند میں غم لے گڑے دی ہے مشکل کی

حسرت سے نک رہا ہے جو ملے ایک ایک کا

آٹھنڈے کو تلاش ہے کس کے نظہر کی ؟

دیکھا ہے عاشقوں نے برہمن کی آنکھ سے

ہر بت خدا ہے چاہنے والوں کے سامنے

دل میں عکس چہرہ جانانہ ہے _____ آٹھنڈے کا آٹھنڈے میں خانہ ہے

کس طرف کرتے ہو سجدے زاہدو _____ کعبہ ایک اجڑا ہوا بت خانہ ہے

اختلاط اپنے عناصر میں نہوں _____ جو ہے مہرے جسم میں بیگانہ ہے

مہکدے کا کام دل سے لہجہ _____ خم کا خم پیمانے کا پیمانہ ہے

دریا میں بے ثباتی عالم کو دیکھ لے _____ جام جہاں نما سے زیادہ حباب ہے

جانی ہے مہمت دولت بیدار ہانہ سے _____ لہ اب تو جاگھے تھوڑی سی رات ہے

دل ہی گیا تو کون بتوں کا کرے خیال _____ کعبہ کے ساتھ سلگ پرستی چلی گئی

انگلی اٹھا کے کہتی ہے مضمحل سے یہ دار

اس راستے سے _____ شہر وصال ایک مہل ہے

ہرنگ شمع خموشی سے باتوں کرتا ہوں _____ زبان قطع ہوئی پر ہے گفتگو ہائی

زردی رنگ عشق نہوں اور رنگ میں

مہرے ہی رنگ سے مری تصویر کھینچے

فہروں کے پانو پڑے نہ آئیں گے تھرے گھر _____ یوں ایڑیاں رگڑ کے بھی مرنا قبول ہے
 عدم کو لے ہی گیا بیٹھو دی کا پاس مجھے _____ تلاش کرنے نہ پائے مرے حواس مجھے
 ہوائے کوچہ قاتل نہ نکالے دل سے کہیں _____ کھلا ہوا در چاک چکر نہیں رکھتے
 ہے جلوہ گر دیر و حرم ذات تمہاری _____ تمہاری ہے دُھلیے میں ملازات تمہاری

دور سے بھی کبھی ملنے کے اشارے نہ ہوئے
 ہم کہیں کے نہ رہے تم جو ہمارے نہ ہوئے

جان اگئی پتلیوں میں دیکھو _____ آنکھوں میں روح اے صدم ہے

قتل کر کے آئے ہیں وہ عذر خواہی کے لئے
 دل مرا ہے ساتھ ساتھ اُن کی گواہی کے لئے

میں روتا ہوں آہ رسا بلند ہے _____ بوستا ہے پانی ہوا بلند ہے
 کہاں قاتلے تک رسائی مجھے _____ میں ہوں لنگ شور دریا بلند ہے
 سواری تری آ کے کھا پھر کُلی _____ اُدھر کو اُدھر کی ہوا پھر کُلی

بغوں کے گھر کی طرف کعبے کے سفر سے پھرے
 ہزار شکر کہ چہتے خدا کے گھر سے پھرے

ملتا نہیں سوراخ دل خاکسار کا _____ مدت سے خاک چھانتے ہیں تھری راہ کی

آہ بھی دل میں نسیم سحری ہوتی ہے
 جو بلا آتی ہے ' اِس گھر میں ہری ہوتی ہے

صبح طالع ہوئی سو بھی اُٹھے سونے والے
 اندریں اے مرے بھدار نہ ہونے والے
 اہل مسئلہ کو کُذر جاتی ہے کہتے ہی میں رات
 مست ہیں سب اہل دیوار کے سونے والے
 ہیچ سے پردہ ہستی بھی اُٹھاتا میں نے
 اب تو منہ کھول دے او سامنے ہونے والے

اچھا نہیں جو رازِ تبِ عشقِ فاضل ہو _____ اے نبضِ دل کی بات نہ کہنا طہیب سے
تبغِ نگاہِ آپ کی ہر طرحِ قہر ہے _____ بے کھائے جان جاتی ہے کھانوں تو زہر ہے
چلن جس کی دل سے چکر تک نہ پہنچے _____ اُٹھی وہ نالہ اثر تک نہ پہنچے
نہیں علم کیا کہتے ہوں لوگ ہم کو _____ وہ ہم ہیں کہ اپنی خبر تک نہ پہنچے

یارِ ب کبھی تو زخمِ محبت گذر کرے
پہلو میں راہِ سہلے میں جا، دل میں گھر کرے
دُر کر نہ جوشِ خونِ شہِ دُداں سے بھاگے _____ پہلے قدم اُٹھانے سے دامن اُٹھانے
کہا ہانہ مردے پہنچیں گے دامنِ بے تان تک _____ اپنے ہی گریبان سے فرصت نہیں ملتی

ترچھی نظر کے حال سے واقف نہیں کوئی
کس پر چہری چلی ہے ' مرے دل سے پوچھو
میرے نصیبِ پانوں کی آمدت سے جاگ اُٹھے
سہلے میں کون آ کے چھو دل سے پوچھو
راز و نیازِ عشق سے آگاہ میں نہیں
مجھ سے نہ پوچھو ' یہ مرے دل سے پوچھو

سب مہکشوں کے دیدہ و دل کون لے گیا _____ شیشے کہاں ہیں ہاے وہ پیمانے کہا ہوئے
مقدور جو ہوتا تو بڑھاپے سے نہ جھکتے _____ گرتی ہوئی دیوار کو ہم تھام نہ لیتے؟
جو پوچھتا ہے عشق میں کہوں رنگِ زرد ہے _____ ہاتھوں سے دل کو تھام کے کہتے ہیں درد ہے
شکرِ خدا کہ رنج سے آباد ہے یہ گھر _____ مدت سے دل نہیں ہے تو پہلو میں درد ہے
اک رشکِ آفتاب نے برباد کر دیا _____ صبحِ تھامت اپنے ہکولے کی کرد ہے
مہکھانے میں شیشہ کوئی ٹوٹا ہے مقرر _____ بھساختے کہوں دل میں مرے درد ہوا ہے

مہمتِ بد نام ہے مہکھانے عالم میں شراب
کوئی پوچھے تو ' نظرِ ہوشِ رہا کس کی ہے ؟
تجہ کو دعوایِ خدائی ہے کہ اے بتِ مجھ کو
شرع میں حد نہیں جس کی وہ سزا کس کی ہے ؟

یہی انصاف ہے اے فصل بہاری ' تیرا :
 چال میں مرغ چمن ' باغ میں صہاد دے ؟
 بادشاہوں میں ہوں محسوب ' نہ درویشوں میں
 یا آٹھی تری دنیا ' ہمیں کہا یاد دے
 کہا بتائیں تجھے اے شوخ حقیقت اپنی
 نامراد آئے تھے کوچے میں ' ناشاد دے
 خوف پیوری سے نظر بھر کے نہ دیکھا تجھ کو
 اے جوانی تری صورت ہمیں کہا یاد دے
 چاہیے مجھ کو ترا ناز اُٹھانے والا
 جان جاتی ہے تو جائے دل ناشاد دے

ازل سے جو زخمی ہے وہ دل یہی ہے خدا ساز دنیا میں بسمل یہی ہے
 نصیب ایسے نالے کہاں بلہاؤں کو ؟ میں پہچانتا ہوں ' مرا دل یہی ہے
 نہ تو کچھ فکر نہ تدبیر لیے پھرتی ہے جاہل کردش تقدیر لیے پھرتی ہے
 وائے قسمت نہیں ملتا کوئی پڑھنے والا زال دنیا خط تقدیر لیے پھرتی ہے

زہر قاتل دونوں میں ہمار ہجران کے لیے
 مہربانی آپ کی ' نا مہربانی آپ کی
 پایے نازک پر جو سر رکھا تو کھائیں تھوکریں ✓
 یہ ہماری بلدگی ' وہ قدردانی آپ کی

سب ہیں مجاز دوست ' حقیقت پسند ' میں
 بلدہ ادھر ' تمام زمانا ادھر دے
 عنایت ہوگئی جاگہرمیں ' انہم استغنا خدائی مانگ کر لایا میں درگاہِ آٹھی سے

آئی خاک اُس کے رہگذر کی یارب یہ ہوا چلی کدھر کی
 جھگمکے دیے یاس نے دم نزع توٹی اُمید عمر بھر کی

مرے تن میں جان بن کر نہ رہوگے تم ہمیشہ
 کہو مہد زندگی کا کسے اعتبار آئے ؟

دکھو دل چہراں کو اکر سامنے اپنے آئینہ تمہیں منہ نہ دکھائے مرے آگے

حسن تیرا ہر آنکھ میں ہے نہا لاکھوں نقشے ہیں ایک صورت کے

فکر روزی میں پہونے میں سر تکرے کھاتے ہیں پہونتی قسمت کے

✓ بال بکھرائے ہوئے آتے ہو کہیں مقتل میں

اتھ کے لے لیں نہ بلائوں کہیں مرنے والے

آنکھ پھرتے ہی تری، مجھ سے خدائی پھر گئی

کہا مری ہر گشتہ بختی کی دھائی پھر گئی

نہ کھینچو جگر سے کٹاری ابھی مزا لیتی ہے بے قراری ابھی

وہی آزمائش ہے اُن کی ہلوز وہی مہوی بے اعتباری ابھی

جاتا ہے لطف کھف جوانی دماغ سے پہلے پہل یہ پہول بچھوتا ہے باغ سے

بودھسی کا تو کہیں نام مٹے کوئی تو آئے، قہامت ہی سہی

کہا ہذا لہں گے بگر کر مجھ سے تھرے تھور، مری قسمت ہی سہی

منجھس

فزل رشک

توحید میں ارشاد مکرر ہے خدا کا مشرک جو ہے دشمن وہ مقرر ہے خدا کا

دیدار کب احوال کو مہسر ہے خدا کا جو دیدہ یک بھں ہے وہ ملظہر ہے خدا کا

جس دل میں نہیں شرک وہی گھر ہے خدا کا

غزل ثراب نصیر الدولہ

ہے مہسر مجھے نظارۂ باغ اِس تجلی سے مرہں پر ہے دماغ

نہیں راتوں کو احتیاج چراغ سہلہ خاور ہے آفتاب ہے داغ

صبحِ محشر مرا گریہاں ہے

قصائد

نعت سیدالوسلین (مناظرۂ ہستی و مرگ)

مہیب رات تھی ایسی کہ بس خدا کی پناہ

زبان ہر سر مو پر تھی الاماں کی پکار

مکان گور کہن، فرہی خاک، بالہں سلگ،
 کھڑے تھے بھاگلے کے واسطے در و دیوار
 معجب نہیں تھے جو آنکھوں کی راہ بھولی نیند
 اندھیرے گھر میں فہش آ آ کے پھر گہا کٹی بار
 اندھیرے میں نہ ملا نیند کو مقام پناہ
 لرز کے مردوں کی آنکھوں میں جا چھپی انہار
 چراغ جا کے جلا لائے غول دوزخ سے
 نہ پائی آتش روشن مہان شہر و دیار
 چراغ خانہ مجلس کی طرح مہاہ فلک
 چمک کے شام کو نکلا نہ صبح تک زہار
 اندھیری رات میں یوں تھا ہجوم ابر سیاہ
 کہ جیسے اڑدھے پر ہو سیاہ دیو سوار
 زمانے بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں
 خفا میں جان سے تھا جان مجھ سے تھی بھزار
 ادھر تو کھیلچتی تھیں سخت جانہاں دامن
 ادھر قضا مرے لے جانے کے لیے تھار
 میں طرفہ رد و بدل تازہ کشمکش میں تھا
 مرے لئے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار
 ہر اک کو دونوں میں دعوائے انصافیت تھا
 ہر ایک کرتے تھے اپنی فضیلتیں اظہار
 یہاں دعویٰ ہستی یہ تھا کہ سن اے مرگ،
 میں تجھ سے بڑھ کے ہوں، آگاہ میں صغار و كبار
 مرے طفیل سے قائم ہوں آسمان و زمیں
 مجھ سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار
 مرے سبب سے ہے مہدی دین حق قائم
 مرے سبب سے ہے ابدال صاحب اسرار
 خدا نے کھائی قسم ہستی معتمد کی
 تو کیا ہے عرش سے بھی میں ہوئی بلند وقار

مرے سبب سے خضر رھلے عالم ہے
 مرے سبب سے ہے الیاس صاحب آثار
 مرے سبب سے ہے فردوس آشیان ادیس
 مرے سبب سے مسکھتا ہے آسمان سپار
 محتوط دھر مہن مہن ہوں بزرگ کشتی نوح
 ترے وجود مہن طوفان قہر کے آثار
 مرے پیالے مہن آب حیات ہے لبریز
 تری شراب مہن مخلوط زہر عقب و مار
 خطاب مجھ کو دیا سب نے جان شیریں کا
 ہر ایک تلتقی ہے نفع سے تری بیزار
 مرے نصیب مہن بانگ نشاط و نغمہ عیش
 تری بساط مہن ہے نوحہ اور نالہ زار
 کہا یہ مرگ نے بس بس خموش اے ہستی
 کچھ اس مہن راست ہے کچھ لاف ہے تری گفتار
 مہن وہ ہوں جس سے لرزتے ہوں سرکشان جہاں
 میں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستمگر و اشرار
 مرے سبب سے شہدوں کو ہے جہات ابد
 مرے سبب سے ہیں پھوند خاک بد کردار
 مرے وسولے سے اشرار زینت فردوس
 مرے طغیل سے اشرار ہیں وقود النار
 پسند آتی ہے تو کس کو ضعف پیری مہن
 کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بھر ہزار
 ترے سبب سے ہیں متعلو مہن چاند دولت مند
 ہزاروں رنج سے ہیں نالہ کش پس دیوار
 تری شراب نہیں ہے خسار سے خالی
 نہفتہ نوش مہن تھرے ہیں نوش زہر ہزار
 ہزاروں ہیں مرض مفاسی سے جان بر لب
 پتا تو کس کو پلائی ہے شربت دیہار

ہزاروں قہد میں روتے ہیں جان کو تھری
 مجھ بلاتے ہیں سر پہر پہر کر ہر بار
 زانے بھر میں ہے شکوا ترے تلوں کا
 کسی کے ساتھ نہیں تھری ایک سی رفتار
 کسی کو کھیلچ کے مسند سے خاک پر پھینکا
 کسی کو دال دیا چاہ غم میں یوسف وار
 امیر تھے جو سلیمان عہد دنیا میں
 بزرگ مور وہ پھرتے ہیں دانے کو ناچار
 غضب ہے تخت سے چمکید کو آثار دے تو
 ستم یہ ارد ہے ضحاک کو کرے مستعار
 بتا، جو نزع کی مشکل نہ میں کروں آسان
 تو قابہ حشر پڑا ترپے نیم کشتہ شکار
 اکر کروں نہ سیکدوش میں دم سکران
 تو بار خاطر اہل و عیال ہو بھمار
 فرض کہ رکھتی ہوں میں ہر فریب کا پردہ
 تجھے بھی چاہیے ہو دل سے مہری ملت دار [۱]
 غرور کر کے ہوئے مدعی خدائی کے
 ترے سبب سے سلاطین ظالم و جبار
 خوشی میں تو نے شہان علیہ کو رکھا
 ملول تجھ سے رہے انبیائے عرش و قار
 خدا نے حکم دیا ”قبل ان تموتوا“ کا
 چہان میں مرے مشتاق رہتے ہیں ابرار
 پیہبران خدا میرے شہر میں سب ہوں
 کہ جن کے نقش کف پا سے خلد ہے گلزار
 خصوصاً اُن میں شہ انبیا حبیب خدا
 شفیع امت و معبود ایزد فساد
 صفائے اُنلہ لا اِلہ الا اللہ
 جلای سمرمہ ما زاغ واقف اسرار

ہرنگ فلچہ جو ہے مہم احمد سرہی
 امانت اُس کی بغل میں ہے ہوئے گلشن یار
 ”مذہر“ مدحت حاضر میں عرض کر مطلع
 حضور قلب ہے نعت رسول میں درکار

ملفوظ امیرالمومنین حضرت علی

نور خورشید جو ہو صاعقہ طور حمل موسیٰ روز کرے مصر دل شب میں عمل
 مصر شب میں جو کرے بادشہ روز عمل دل فرعون میں پھونکے ید بھضا مشعل
 گل رہنا کے تماشے کے لیے گلشن میں ایک جا ہو گلشن شام ابد و صبح ازل

پردہ ابر بہاری میں ہوائے گلشن لے چلی دیدہ نرگس سے چرا کر کاجل
 جنگ بدر واحد و خلدق و خبہر سر کی تہوی تلوار کے لنگر سے پسے لات و ہیل
 کھا کروں اس پفلک سیر کے اوصاف رقم سایہ اس گاہ شب وصل تو بجلی چہل بل

لکھ دوں تقویم کہیں میں جو میں سرعت اس کی
 ہم بغل شام ابد سے ہو ابھی صبح ازل

ملفوظ جناب سیدۃ النساء

گذری شب سیاہ تجلا ہے نور کا پڑھئے نماز صبح کہ ترکا ہے نور کا
 مصروع سے کم نہیں ہے قیام نماز صبح دو رکعتیں ہیں مطلع زیبا ہے نور کا
 معراج پائی سجده کھا خاک پاک پر داغ سجود ہے کہ ستارا ہے نور کا

مدح ثواب کلب علی خاں

آ جاتے تھے تم صبح کی ساعت کے برابر پھلاتے ہو اب پانو قیامت کے برابر
 جب دیکھتے ہو منجھ کو بگڑ جاتے ہیں تھور چہن جیہوں تیغ عداوت کے برابر
 دیوانوں سے ہو روز ترا گیسوے خمدار آشفتمے ہے زلف شب فرقت کے برابر
 ہشیار نہوں کوئی جو آنا ہے چلے آؤ ہزم جہاں گرشہ خلوت کے برابر

مطالع

پتّا ہو اگر گلشن جنت کے برابر گردوں بھی ہو تھوڑے کف ہمت کے برابر

پھیلاؤں میں تھرے در دولت کے برابر دامن ہو جو محتوای قہامت کے برابر

رُت ہے بوسات کی بہت پھیلاؤ
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر
بجلیوں کی چمک میں ہے چہل بل
کھا رہی دوب جنگلوں میں ہے
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے
تھلکی تھلکی ہوائوں پر وائی
شفق سرخ رنگ لائی ہے
نڈھیں نڈھیں بستی ہوں بوندیں
کوہلا، پکے، کوئلوں، طاؤس
قازیں، مرغابیاں، بطوں، سوخاب
کھیت دھانوں کے لہاے شاداب
عکس طوطی ہو چوسے اُٹلے میں
سوندھی سوندھی زمون کی مٹی

آپ کے ہاتھ میں ہے وہ تلوار
نام اس برق کا ہے دشمن سوز
جس نے بجلی کو کر دیا عاری
کام اس ابر کا ہے خون باری

ہے سواری میں کیا پڑی گھوڑا
کو رہی ہے صبا چلر اُس پر
خوش خرامی میں کیک کہساری
بوے گل کرتی ہے جلو داری

پڑی ہے مجھ سے عناصر کے دل میں پیار گڑا
پڑی جو تھوڑی میں، عالم وہ حسن کا نہ رہا
بساطِ عمر رواں کا ہے عرض چار گڑا
کسی سے سیکھ گئی نشیے کا اُتار گڑا
تو اپنی گانٹھ میں باندھے مرا غبار گڑا
سمجھ لے قدر جو اکسہر خاکساری کی

زمانے بھر میں خوشی کا کھوں نہیں ہے وطن
خدا کے فضل سے ہے رامپور ہی مسکن

تمام شہر رنگیں لباس، خوش پوشاک
شگفتہ طبع و شگفتہ دل و شگفتہ مزاج
ہر اک کے ساتھ لگی پھرتی ہے بہار چمن
کھیں مشاعرہ پڑھ رہے ہیں اہل سنگن
کھیں مباحثہ علم و مجلسِ فلسفہ

ہجوم ہے سر بازار مے چہلوں کا بھرے ہیں نور کے بکریں سے کوچہ و بوزن
خوشا نصیب جو اس شہر میں رہے آکر جو بادشاہ ہو تو بھی نہ یاد آئے وطن

مدح منشی احمد حسن خاں ”عروج“

بارے آنی نجات کی باری	کھل گھا- عقدۂ گرفتاری
ہم کو منصب ملا رھائی کا	تھد کو جائداد بھکاری
کچ تھہرا مقام غربت سے	اب وطن چلنے کی ہے تھاری
رخصت اے دوستانِ زندانی	الوداع اے قم گرفتاری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت	اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بہتہتے ہوں جہازِ دوستی پر	اُتھتے ہیں لنگر گراں باری
کرم اے خضر، المدد اے نوح،	رحم اے فضل حضرت باری
السلام اے خروش بکھر معصوم	السر اے سفیلۂ جاری
زاد راہ سفر، توکل ہے	رہنمائی کو اُس کی ففاری
سامنے ہر طرف شمدور ہے	سایۂ آسمان زنگاری

مغلی اور رمضان

رمضان اب کا شہر ہے مسجد پر	پہارے کھاتے ہیں روزے اُتھ پھر
مغلی پہلے بھیج دی مرے پاس	پھر ہوئے آپ مہم ماں آکر
کون کھتا ہے روزہ ہے تا شام	رات دن ہے مقام میرے گھر
کھانے پھلے کی چھڑ کھوں کر آے	خود بدولت کھڑے ہیں پھرے پر
سکری کے لہے دکھاتے ہیں	نقل بادام دیدۂ اختر
شام کے وقت بہرِ افطاری	نمکِ بختِ شور پھیں نظر
قدح آب کی جگہ موجود	خوب لبریز آنکھوں کے ساغر
تلخ کامی اگر نہ زہر ملاے	جان شیریں کو کھاؤں جائے شکر

نذر عید قربان

قصر جاں پرور ہے باغِ دلکشائے صبحِ عید	دامنِ دولت سے آتی ہے ہوائے صبحِ عید
تہنیت دیتی ہے ہر دمِ عیدِ لبِ نغمہ سنچ	ہے زبانِ برگِ گل پر ماجراے صبحِ عید
دلکشا گلہاں اگر دیکھے مہمانِ دامپور	کوچۂ چاکِ گریہاں بھول جائے صبحِ عید

مثنوی

”حصابِ زناں“

اے قلم لکھ دے پہلے بسم اللہ تاکہ نافع یہ سب کو ہو دل خواہ
حال جو کچھ سنا کھا موزوں نہیں اِس میں لطافت مضمون
اپنے لہجے میں یہ کلام نہیں جب تو اِس میں وہ التزام نہیں
سیدھی سیدھی زبان ہے اِس میں سادہ سادہ بیان ہے اِس میں

نیک مورتوں کا ذکر

سنو رازی، جو بیہوشیاں ہیں نیک چال اُن کی ہے ایک بات ہے ایک
کام خوفِ خدا سے ہے اُن کو ربطِ شرم و حیاء سے ہے اُن کو
نہیں ہوتی ہیں بے لحاظ کبھی پردہ اُن کو ہے باپ بھائی سے بھی
روکھی سوکھی جو پائی کھاتی ہیں جو مصیبت پڑی اُتھاتی ہیں
جس سے کپڑے گرو ہوں یا برتن بھار میں جائے وہ چٹورا پن
ایسے تین پھٹ کے مزے پر خاک جس سے کت جائے سات پشت کی ناک
نہیں باریک اُن کا پھراہن کبھی کھلتا نہیں کھوں سے بدن
گھر سے جاتی نہیں کبھی باہر عمر پردے میں کرتی ہیں وہ بسر
گھر میں مزدوری اپنی کر لہذا دالِ دلہے سے پھٹ بھر لہلا
شرع کی حد سے کب وہ بوچھٹی ہیں مسئلوں کی کتابیں بوچھٹی ہیں

ہرمزی خانم کی گفتگو

ماں سے تب بولی ہرمزی خانم: امی جان، آپ کہوں ہوئیں بوہم
دوس [۱] دیکھا کسی کو ہے جا تھا یہ مہرے نصیب کا لکھا
اپنی بدنامی میں نہ چاہوں گی جس طرح ہو سکے نبھاؤں گی
اُن کے آگے نہ ایسی بات چلے کام اُنہوں سے ہے ہوں برے کہ بھلے
گو کہ مقدور اُن کو آج نہیں پر غفلت ہیں، بد مزاج نہیں
ہیں وہی گو کہ مالک و مختار پر ہیں ہر طرح مہرے تابعدار
میں کڑی ہوتی ہوں، بگڑتی ہوں آزمائے کو اُن سے لڑتی ہوں
ہونٹ آگے مرے نہیں کھولے معجہ سے بڑھ کر کبھی نہیں بولے
دیکھ کر میری شکل چھتے ہیں پانو دھو دھو کے مہرے پیٹے ہوں

بادشاہ سے خطاب

ہو ترقی شکوہ حضرت کی
یہی واجب ہوا ہے حضرت پر
دیتے ہیں بادشاہ سب کی داد
یہی دستور ہے ' قصور معاف '
آپ جو چاہیں ہم سے لیں خدمت
جب رعیت کو بادشاہ ستائے
ملک و دولت کو صاف کھو بھٹکے
لاکھ حیلوں سے زر رعیت کا
کب عدالت پناہ کھلائے
قطعہ سعدی کا ہے بہت مشہور
بادشاہ پاسبان درویش است
گوسفند از برائے چوپاں نہست
کہا ہو ظالم کی سلطنت میں امان؟
نہ کند چور پوشہ ' سلطانی

عدل و انصاف ' عمر و دولت کی
رہے انصاف کی ہمیشہ نظر
کہ رعیت ہے صورت اولاد
ہم اطاعت کریں حضور انصاف
پرورش کی مگر رہے نیت
ستھنا ناس جائے چوں نہ پائے
بادشاہت کو اپنی رو بھٹکے
لوگتے جو بادشاہ بے پروا
بلکہ وہ روسہا کھلائے
عرض کرتی ہے یہ کٹھن حضور
گرچہ نعمت بغیر دولت اوست
بلکہ چوپاں برائے خدمت اوست
بھڑپیا بھڑپوں کا ہے دشمن چال
کہ نہاید ز گرک چوپانی

رباعی

عالم اسیری میں

غربت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا
زہر غربت شکر فروشوں کو ملا
جب انجمن جگر کھانے لگی پیاس "ملہر"
کالا پانی سفید پوشوں کو ملا

قطعہ

نواب احمد حسین خاں "سالم" کی مدح میں

ازل کے دن سے نہیں بے علاقہ کوئی شے
اثر ملا سخن تلخ کو ہلاہل کا
شراب آب بقا بہر سافر ظلمات
پر طواف حرم اعلیٰ قبلہ سامی ہیں
تلاش معنی روشن برائے طبع ملہر '
چمک ہے بہر قمر چاک ڈال کدیاں کے لیے
بنی حلاوت جاں لذت بھیاں کے لیے
مسیح و خضر بلے عمر جاوداں کے لیے
برہمنوں کی جیہیں سجدۂ بتاں کے لیے
"ملہر" مدحت احمد حسین خاں کے لیے

قید کے حالات میں

فروخ آباد اور یاران شہیق چھت گئے سب گردش تقدیر سے
 آئے ہاندے میں مقہد ہو کے ہم سو طرح کی ذلت و تحقیر سے
 کوتھری تاریک پائی مثل قبر تلگ تر تھی حلقہ زنجیر سے
 پھر الہ آباد میں بھجوا دیا ظلم سے ' تلبہس سے ' تزییر سے
 جو الہ آباد میں گذرے ستم ہیں فزوں ' تقدیر سے تھیر سے
 پھر ہوئے کلکتے کو پھدل رواں کرتے پڑتے پانوؤں کی زنجیر سے
 متکڑی ہانہوں میں بھڑی پانوؤں میں ناتواں تر قہس کی تصویر سے
 سوے مشرق لائے مغرب سے مجھ تھی غرض تقدیر کو تشہیر سے

قطعہ تاریخ

مدراس میں غلام نبی جب ہوئے اسہر گھر اُن کو کلچ خانہ اُفت میں مل گیا
 از بسکتہ ہیں وہ اہل مروت میں نامدار یہ زہر تلخ عہد کے شربت میں مل گیا
 سب دوستوں کو رنج ہوا اُن کی قہد کا لطف سرور خاک مصیبت میں مل گیا
 مدراس سے وہ آگئے جب اندھ میں میں گویا مقام گوشہ راحت میں مل گیا
 والدتہ اُن کے مرد خدا شہیح مہی دیں یہ رنج اُن کو وضع کی کثرت میں مل گیا
 بیٹے کے دیکھنے کو وہ آئے جہاز پر فرزند اُنہیں جزیرہ غربت میں مل گیا
 اس غم میں جب یہاں سے گئے مولہ میں کو جسم لطیف خاک کدورت میں مل گیا
 فرط غم و الم میں گئے جانب عدم آرام اُن کو گوشہ تربت میں مل گیا

تاریخ اُن کی مرگ کی کہ دی " ملہر " نے

" دیکھو مقام گلشن جنت میں مل گیا "

صفیر

سید فرزند احمد "صفیر" سید احمد کے بھتیجے بلگرام کے رہنے والے ۱۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ آدھ ضلع شاہ آباد چلے آئے جہاں عرصے تک قیام رہا۔ ابتدا میں سید محمد مہدی "خیر" بلگرامی اور پھر شہخ امان علی "سحر" سے اصلاح لیتے تھے۔ مرثیہ میں "دبیر" سے اور فارسی میں "غالب" سے مشورہ کرتے تھے۔ پہلا دیوان "صفیر بلبل" پتلے سے ۱۲۸۰ھ میں اور دوسرا "خمخانہ صفیر" لکھنؤ سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کیں [۱] جن میں سے قصہ بوستان خیال، مثنوی اعجاز کلیم اور تذکرۂ جاوۂ خضر مشہور ہیں۔ ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام اکثر عاشقانہ ہے اور اُس میں "ناسخ" کی آورد کا رنگ صاف معلوم ہوتا ہے۔ صحت زبان کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

غزلیات

کلیم وقت ہیں ہم طور معلیٰ ہے مکان اپنا
لقب لکنت کے باعث ہو گیا معجز یہاں اپنا
خموشی سب کی باتیں ہم کو سنوانی ہے فرقت میں
بہلتا ہے یونہی دل بے ترے اے جانِ جاں اپنا
توجہ سے تری ساماں ہوا ہے وحشت دل کا
جلوں ' تھوڑے قدم سے سلسلہ نکلا سلسل کا
✓ نہ سمجھا مہری بہتابی کو جب ناداں کسی صورت
تو اُس کا ہاتھ رکھ کر کہ دیا یہ حال ہے دل کا

[۱]—تذکرۂ جاوۂ خضر - [۲]—سغن شعرا ص ۲۸۳، تذکرۂ آب بقا ص ۸۴۔

شام سے حال ہے بھمار وفا کا کچھ اور
 دیکھتے جاؤ، ابھی تا بہ سحر کھا ہوا
 وصل کی رات کتنی، صبح کے آثار میں صاف
 دل بچھا جانا ہے اے شمع سحر ! کھا ہوا

زلف ساقی نے جو بکھرائی تو دریا چڑھ گئے
 وہ کھا زائد، دعاے ابر رحمت مانگتا
 آغاز ہی میں عشق، یہاں کار گر ہوا
 میں کشتہ معامات یک نظر ہوا
 آئے وہ اور اپنا جہاں سے سفر ہوا
 کھا خرب اتفاق قضا و قدر ہوا

خدا ہے، دیکھیے کھا پھل ملے اس عشق بازی کا
 بہت نشو و نما پر اب تو نخل آرزو آیا
 ہمیں خوبیوں سے آلفت ہے، تجھے منظور نظارہ
 ہم آئے دل سے یاں اے شہنشاہ اور آنکھوں سے تو آیا

ایک پتلی سی ابھی کوند گئی آنکھوں میں
 الاماں دوزن دیوار سے کس نے جھانکا
 آہستہ لگا چراغ، شب انتظار کا
 جوش شوق شب وصل میں دشمن تھہری
 تلک آئی ہے مری آرزوے دل کھا کیا
 جستجو میں تری تھک تھک گئے چلنے والے
 پانو پھیلانے پڑے ہیں سر منزل کھا کیا

اپنا دشمن میں ہوا آپ مصیبت میں ”صفیر“
 کیوں نہ ہو خود مرے ہاتھوں میں گریباں مورا
 وہ کھڑے ہو گئے جانے کو، قیامت آئی
 بزم احباب پہ عالم ہے صف معشر کا

یاں جس کو دیکھیے نظر آنا ہے کج ناکہ
 اُن کی نظر کی طرح پھرا ہے زمانہ کھا
 معجزہ کو تو بے خودی میں نہیں ہے خیال کچھ
 دل بھی ہوا ہے ساتھ تمہارے روانہ کھا

جذمل میں بھی گئے، نہ چھپا وحشیوں سے عشق
 کچھ پردہ پوش، دامن صبرا نہ ہو سکا

کب اپنی چال سے ترا بھمار رہ گیا؟ در سے اُٹھا دیا، پس دیوار رہ گیا

رُشک نظارہ نے دیدار سے رکھا مجھے باز
تجہ کو آنکھوں میں بھی اے جان بگھایا نہ گیا

سایک قیامت ہر گھڑی کے ساتھ ہے فرقت کی رات
آج وہ شب ہے کہ جس کے واسطے فردا نہیں

دید شبہ یار سے ہے میری زندگی روشن چراغ جاں کا ہے تصویر یار میں

دھوکا ہے مہوشوں کی محبت میں اے ”صفیر“!
مانو نہ مانو ہم تمہیں سمجھائے جاتے ہیں

نظارے پد مائل تو ہو چشم شوق حجاب نظر پردہ در نہیں

دو گام چل سکا نہ، صلم، تیری راہ میں گھبرا کے شوخ بگتہ رہا خانقاہ میں
اے مژدہ بخش وعدہ فردا نکل بھی آ بگتہ ہوا ہے ایک جہاں تیری راہ میں

ہمیں کافر نہ سمجھو، زاہدو، اس بت پرستی پر
بتوں کے ظلم سہتے ہیں، خدا کو یاد کرتے ہیں

اب تو آج چرخ و بام یار دونوں ایک ہیں
چاندنی اور سایہ دیوار دونوں ایک ہیں

طور پر موسیٰ کو خوش کر، کعبہ دل میں ہمیں
اے صلم، ہم طالب دیدار دونوں ایک ہیں
وصل کی شب کون سونے دیتا ہے مجھ کو ”صفیر“
چشم شوق و طالع یہدار دونوں ایک ہیں

عاشقی میں جب ”انا لہلی“ کی نوبت آگئی
آئینہ ہو یا کہ روے یار دونوں ایک ہیں

سنا کر ہے، اقرار ہے، گالی ہے، دعا ہے :
اب لاکھ زبانیں ہیں ترے ایک دھن میں

کل و بلبل کا نہ تو قیصلہ کر گلشن میں
کہیں عاشق نہ لپٹ جائیں ترے دامن میں

مار ہی ڈالے گی یہ زندگی ہجرِ مجھ رشتہ جاں ہے کہ پھانسی ہے مری گردن میں

فردا کا وعدہ کس کو یہ سمجھائے جاتے ہو
سمجھے گا کیا وہ جس کو اُمید سحر نہیں

مستقل یار میں ملتا دل ناشاد نہیں لائے تھے ہم کہ نہ لائے تھے زرا یاد نہیں

کسی کی فہم میں آتا نہیں ہلکتے سے بجائے میرے سخن کا اگر جواب نہیں

آئے وہ میرے گھر ، تو رقیبوں کو لے کے ساتھ
یارب ، قبول یوں بھی کسی کی دعا نہ ہو
ہلستا ہے مل کے عہد کو ، کہوں مجھ سے وہ ”صفہر“
پہلو تو دیکھتے کہیں دل لے چلا نہ ہو

گر آج وفا وعدہ فردا ہو ، تو کیا ہو کچھ فرض یہی ہے کہ تھامت ہی بپا ہو؟
بتھلائے ہوئے قیس کو ہے ابلہ پائی آنکے کہیں نافۂ لہلی تو مزا ہو

تعلق : عالم نیرنگ میں عشرت کا دشمن ہے
تماشا دیکھتے ہیں ہم جلا کر آشپانے کو

دیو کہتے رہے ، جانا کہے کعبا دل کو
آج تک ہم بھی سمجھتے رہے کیا کیا دل کو

آساہن وصال میں ہے شرط ، فکر ہجر تارِ نظر سے باندھ رکھوں آج خواب کو

ہگڑا ، تو کیا کرے گا تو ارض و سما کے ساتھ؟
دائے کا زور کچھ نہ چلا آسما کے ساتھ

خوبوں سے بھی زیادہ ہے بھداد گر یہ دل
اللہ ، مجھ کو بھیج دیا کس بلا کے ساتھ؟

بس ایک نگاہ دیکھتے ہی میں نے جان دی :
البت کی انتہا بھی ہوئی ابتدا کے ساتھ

دنہا مہیں مہیں گو عدم کے ساکن، _____ رخ ہے سوئے وطن ہمیشہ

لاکھ فہروں مہیں کیا تو نے مجھی کو انتخاب

ظلم پر تھرے مجھے ناز، اے ستم ایجاد ہے

وہ ہنستے مہیں مرے رونے پہ مہیں روتا ہوں ہنستے پر :

لبوں مہیں اُن کے بجلی ہے مری آنکھوں مہیں بادل ہے

ہر دم صدا یہی ہے ترے داد خواہ کی _____ مارا نظرو نے رہ گئی حسرت نکاح کی

کیا اُس سے کہوں جو ہیں کہے، 'ہاے : _____ سمجھا سمجھا جو مدعا ہے ؟

تو مجھ سے اگر پھرا، تو کہا ہے ؟ _____ اے بت، بلندے کا بھی خدا ہے

شب فراق مہیں دست چلوں سے لہجہ کام، _____ بغیر چاک گریہاں سحر نہوں ہوئی

یہ آسرا ہے کہ پھر کر تو دیکھ لے شاید : _____ تری نکاح سے قطع نظر نہوں ہوئی

تو نے کلکشت جو موقوف کیا، 'اے گل تر' _____ پھول موجھائے چلے آتے ہیں گلزاروں سے

سمجھ کے شہنشاہ ہم سے کلام کرتے مہیں _____ خدا ہمیشہ رکھے بات حسن والوں کی

یہ کس خطا پہ کہا آپ نے شہد ہمیں ؟

جواب کہا ہے، 'جو کوئی سوال کر بیٹھے ؟

مٹہ بوسے کا مشتاق ہے، 'بیدار کی آنکھوں :

دیکھوں تو مری جان نکلتی ہے کدھر سے

✓ نہوں کہہ سکتے کچھ ہم حشر کے روز _____ تمہارا مٹہ خدا کا سامنا ہے

کچھ نہ دیکھا تجھے، دیکھا بھی جو موسیٰ کی طرح :

رہ گئی پردہ دیدار مہیں، 'حسرت مہری

اے فلک، 'بلند بیدام محمد' ہے "صفہر" :

پوچھ لے مہرے خریدار سے قیمت مہری

شرارت تری، 'آنکھ کا تل ہوئی : _____ حبا بن کے آنکھوں مہیں داخل ہوئی

محبت کی درپیش ملول ہوئی، _____ بگولوں مہیں خاک اپنی شامل ہوئی

فرمائے نہ ترک محبت کے واسطے ، نامح' ریاضت ایک پہلی سہر بہر کی ہے
 ثبات کل و لالہ کیا پوچھتے ہو ؟ اُڑے رنگ ہو کر چمن کیسے کیسے
 سب ملے ہو یہ فہروں کی بلائی باتوں پر دہ آٹھ جائے تو جانو کہ محبت ہے کسے
 تھری ہی چشم مست کا پیمانہ چاہیے ساقی مجھے تو لغزش مستانہ چاہیے
 خبر "صفور" کی لانا کوئی خدا جانے کہ اُس فریب پہ کھا کوئے یار میں گدروی
 انجام اپنا خاک نہ سمجھے ہم اے فلک دہا میں خاک چہاں کے متی خراب کی
 تجسم سے ، تکلم سے ، حیا سے : مجھے مارا بھی تو کس کس ادا سے
 بتو ، ساری خدائی ہم کو ملے جو انلی العجا کرتے خدا سے
 پہام مرگ ، اے اجل کہاں تک ؟ کبھی قدم و نچہ کر یہاں تک
 فغاں سے [۱] اب تھک گئی زباں تک ، خموش کب تک چھا کریں گے

قدر

غلام حسنین ”قدر“ سہد خلف علی کے بھائی ۱۲۲۹ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ آئے۔ ابتدا میں امان علی ”سحر“ اور مرزا محمد رضا ”ہرق“ کے شاگرد ہوئے پھر امداد علی ”بدر“ سے اصلاح لی۔ قدر کے بعد لکھنؤ سے دلی آئے اور ”غالب“ کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آخر میں حیدرآباد میں چار سو روپے ماہوار کے ملازم ہوئے لیکن آب و ہوا موافق نہ آئی، اس لئے لکھنؤ واپس آئے اور اسی سال ۱۳۰۱ھ میں وفات پائی۔ [۱]

”قدر“ ہندی زبان سے واقف تھے اور ہندی عروض (پنگل) بھی خوب جانتے تھے۔ ان کا حافظہ قوی تھا، اور طبیعت ہمہ گیر پائی تھی۔ اردو غزلوں میں سادگی، شوخی، رنگینی اور قصائد میں روانی پائی جاتی ہے۔ زبان کی سستکی اور متبادری کی صحت ان کے کلام کا طرہ امتیاز ہے۔

غزلیات

ملکہ فق ہو سحر بن کر، جس سے شب امکان کا
وہ مہر قہامت ہے، مطلع مرے دیوان کا
اک طرفہ رقم میں تھا، دونوں نے کیا ساچھا
آفت نے مجھے پرکھا، رحمت نے مجھے آزاد

خیم سے جام شہراب نکلا کہسار سے آفتاب نکلا
دور دور، دور دور، کلیم دور دور وہ بام پہ بے نقاب نکلا
فہش کھا کے گرا میں، شعلہ طور! ہمارے، تھرا حجاب نکلا

دسی تو جلی، مگر دھا بل : کاکل سے نہ پہچ و قاب نکلا
اچھا ہوا، اور آئینہ دیکھ : لے، گھر مہں ترا جواب نکلا

ہرگیا ابرو کی سفاکی سے شہرہ یار کا
کام کرجائے سپاہی، نام ہو سردار کا
زلف و مڑگاں دیکھ کر یاد آگیا دشت جلوں
وہ اندھیری رات وہ تلووں مہں چبھنا خار کا
”قدر“ کیا اصلاح ”فالب“ سے مری شہرت ہوئی
وہ مثل ہے : ہارہ کاٹے نام ہو تلوار کا

اک کف خاک سے دیکھی تری صنعت کیا کیا
مورچہ کوئی ہلکا، کوئی سلیمان ہوا
ہجر نے، موت نے، یا ناز و ادا نے، مارا
انہوں دو چار مہں ایک آدم کا احسان ہوا

اُس پر کہیں نماز مہں گلدن نہ بہت پڑے
واعظ نے توڑ ڈالا ہے مٹکا شواب کا
آب حیات و چشمہ خورشید گرد ہو
دیکھیں جو رنگ، خضر و مسیحا شراب کا

تم سے بچا جو نور، ہوئی روشنی شمع
مجھ سے بچی جو خاک تو پروانہ ہو گیا
شکل دوئی پسند نہیں، مہری آنکھ کو
تھکا جو اشک، گوہر یکدانہ ہو گیا
بلبل کی روح کھا مرے تن مہں سمائی ہے
جب آگئی بہار، مہں دیوانہ ہو گیا

ہے ورد اپنا، سحر کو نالہ و فریاد کر لہنا
بہر صورت کسی پردے مہں تجھ کو یاد کر لہنا

انہیں جنت نہ سہی، خور جہنم ہی سہی
اندا تھوڑا ہے، مجھ تو کسی قابل سمجھا !

یہ تو کہتے نہیں ہم حشر کا دن چھوٹا ہے
پر ہماری شبِ فرقت کے برابر نہ ہوا

اضطرابِ دشتِ پیمائی نہ چھوٹے گا کبھی
خاک ہوگا جب بدن، دیگ رواں ہو جائے گا
اُس کی اِس نامہربانی پر تو میں دیتا ہوں جان
کیا قیامت ہوگی، جب وہ مہرباں ہو جائے گا

اُنے لحد پر آج بڑا حوصلہ کیا
اللہ، کیا حضور نے خوفِ خدا کیا
اے یاد! آنکھ لڑتے ہی ہرما گلی نگاہ
آنکھوں سے خون ہو کے کلہوچا بہا کیا
اشکِ کرم آنکھ سے نکلے جو بڑھی سوزشِ دل
ہم نے جلتا ہوا تَدور اُبلتے دیکھا
سائے کے لئے ابو سیہ جہرم کر آیا
جب قصد ہوا جانبِ مہنڈانہ ہمارا
یہ کہ کہ کے سمجھاتے رہتے ہیں دل کو
جو بھولے ہمیں، اُس کو کیا یاد رکھنا
دامنِ رحمتِ باری میں چھپا مہرا راز
میں ہوا اشکِ فشاں، ہو گلی مشہور گھٹا
یا آہی یونہیوں سرِ سبز وہ باغِ مراد
زیرِ انکور ہوں میٹھی، سرِ انکور گھٹا

اشکِ اُمّدے ہجر میں جب آہ کی
برق چمکی اور بادل گہر گہا
گہر عدم ہے، یہ جہاں ہے سہرِ گاہ
ہر کوئی دم بھر کو آیا، پھر گہا
کیا عجب، اے ”قدر“ دن پھرے مرے
جس کے فرمانے سے سورج پھر گہا

’تم نے مکھوے پہ جو گھسوے پریشاں چھوڑا
کالا پردہ درِ کعبہ یہ مری جاں! چھوڑا
ہاے اِس موت نے دیران کیا کس کس کو
کوہ، فرہاد نے، معجزوں نے بیاباں چھوڑا
دیر و مسجد میں ترا ذکر ہے اللہ اللہ!
حسنِ الطاف نے ہلندو نہ مسلمان چھوڑا

ہو سکتی نہیں دل شکنی مجھ سے کسی کی
کعبہ تو مسلمان سے تھاپا نہیں جانا

اُلت کے دفتر ہر آسماں کا ، کہا رخ آہوں نے لامکاں کا
 پڑا رہا شورِ الاماں کا ، دھرا رہا فل کہاں کہاں کا
 عدم کی ہستی کا میں مکیں ہوں ، بقا جہاں ہوں فلما وہیں ہوں
 ہزار آٹھوں میں تو کچھ نہیں ہوں غبار ہوں معدنِ لامکاں کا
 فقط نہ سیلہ ہی تو کافر جگر بھی حاضر ہے دل بھی حاضر
 بتا تو اے تہر عشق ، آخر ترا ارادہ ہے اب کہاں کا ؟
 ہزار نالے کروں تو کہا ہے ؟ کہوں سماعت بھی یا خدا ہے ؟
 شوالے میں سنگہ پھنک رہا ہے تو شور کعبے میں ہے اڈاں کا
 جو پوس دالے مصہبت نل ، رہا نہ ہو دامنِ توسل
 جو خاک ہو جائے جسم بلبل ، غبار ہو معدنِ بوستاں کا
 وہ برق طور تجلی آرا ، کلہم نے جس سے دم نہ مارا ،
 بچھا ہوا تھا کوئی شرارِ حضور کے سنگِ استعاں کا

نہ بھاگ عسرت سے ! منتہاں میں وہ عینِ عسرت ہے اس جہاں میں
 سنا ہے زندانِ مومنان میں مزا ہے کفار کے جلاں کا
 جہنمیں سمجھتے ہیں لوگ قارے ، وہ چھوٹا ہوں رازِ پارے
 یہ ہم نے آہوں کے تہر مارے کہ سیلہ چہلنی ہے آسماں کا

اُلت دیا وہ طبقِ زمیں کا پتا نہیں چرخِ ہفتہ میں کا
 برا ہو آہِ دلِ حزیں کا کہ مجھ کو دکھا نہیں کہوں کا
 کلہم تم نے نہ اُس کی مانی تو غش میں واجب تھی تاب لانی
 جو چھوڑی تھی بحثِ لنِ ترائی ، جواب دینا تھا ہاں نہیں کا
 کھلا وہ باغِ خلیل ہو کر ، بلما سرِ طور نکلِ اخضر
 ہوا سے جھڑ کر گرا زمیں پر ، جو ایک پھول آہِ آتشیں کا

✓ ترے میکدے سے ساقی ہمیں نا اُمید چائیں ؟
 جو کوئی یہاں سے نکلا وہ پھوے شراب نکلا

دورِ ساغر ہم تلک پہنچا نہ ساقی ، یا نصیب !
 جانا ہے مشرق سے مغرب تک برابرِ آفتاب

بے نام و بے نشان ہیں، نہ پوچھو ہمارا حال
برگشتہ بخت و بے وطن و خانمان خراب

حسن کو لاکھ ناز ہو، پھر بھی ہے فوق عشق کو
تم سرِ کُل پہ دیکھ لو، پرہیزہ پائے عذلیہب
عشق کی جب ہوا چلی، حسن نے سانس تک نہ لی
چٹکی اڈر کوئی کلی، اتنی صدائے عذلیہب

سودا ہے تجھے، قاروں تو نہ بن، کچھ راہ خدا میں صرف بھی کر
یہ بوجھ نہ تجھ سے اُٹھ سکے گا سرِ پیر نہ بہت تو لاد عبث
کہوں لاش پہ موری روئے ہیں سب؟ کیوں مہفت میں آنکھیں کھولتے ہیں سب؟
چونکوں گا نہ خواب مرگ سے میں؛ ہے شور عبث، فریاد عبث
صہاد نے چمن میں نفس لاکے رکھ دیا، کیا پوچھتے ہو مرغ گرفتار کا مزاج
ملت کش مسخ نہ ہوگا وہ حشر تک، ہے عرش پر حضور کے بیمار کا مزاج

مقصود، تیری دارِ مبارک دے تجھے
ایدا تو سر ہوا سرِ نوک سناں بلند
یہ ضبط عشق ہے کہ نہ نکلے گی ملت سے آہ
ایسے جلیں گے ہم کہ نہ ہوگا دھواں بلند

مومہائی تھی کیا وہ چشم سیاہ، کھو دیا دل کا ایک نظر میں، درد

میں کیا کہوں، کسے آئے گا اعتبار اُس کا
بہت کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے خواب کے مانند

قبر تھکرا کے مری، کہتے ہیں کس ناز سے وہ
تمہیں بے چوں تھے، اللہ دے آرام پسند؟

ہلڈو چشم کجا، مصطف رخسار کجا
کفر کے تحت میں ہم کو نہیں اسلام، پسند
رمز اُلفت سے نہیں دست و زباں کو مطلب
کہوں کریں رسم و رآ نامہ و پیغام پسند

نہ میں اشکِ ندامت نے بڑا کام کیا _____ نکل آیا سرے اعمال کا کووا کافد

گردن شیشہ چھکا دے سرے پیہمانے پر
ہن پرستار رہے ساقی ' ترے مہیخانے پر
رمضان آتا ہے للہ چھکا دے ساقی '
تیس دن رال تھکتی نہیں ' پیہمانے پر
غصہ ہوا گردن ساقی پہ ' کبھی آنکھ پہ لوت
کبھی شیشے پہ گرا مہن ' کبھی پیہمانے پر

کھٹ کر ہلال ہو مہ کامل غرور سے کامل وہ ہے جو نہ اٹھائے کمال پر
تو صد گاہ دھر میں غافل ہے کس لئے پیہندا لگا ہوا ہے ترے بال بال پر

یہ ان ترانیاں ' ہمیں ہرگز نہیں پسند
موسیقی کو کیا ملا تجھے اک بار دیکھ کر

کیا تجھ کو ملے گا دل دکھا کر کعبے کو نہ دھا خدا خدا کر
کہتا ہوں کیا ہے تم نے بے ہوش فرماتے ہیں ہوش کی دوا کر
اے صبرِ رواں ' کہاں گئی تو تلہا مجھے گور میں سا کر

چاند سورج کو نہ فرماتے کہ " ہذا ربی " _____
دیکھ پاتے جو خللِ آپ کے پھارے عارض

" قدر " کو بھکدے میں دیکھا ہے _____ اس مسلمان کا خدا حافظ

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرے اوست
کھوں کر نہ زلف یار میں ہوتا قرار دل
ایسوں کے آڑے آتا ہے کوئی جہان میں
چہانی یہ اپنی ہے کہ ہوے پردہ دار دل

سوئے جا کر مزار میں ہم اب پہنچے ہیں کوئے یار میں ہم
جب خاک ہوئے تو اوج پایا مل مل کر آڑے غبار میں ہم

✓ جو ہے مرہ پر وہی فرہ پر کوئی خاص اُس کا مکان نہیں
وہ یہاں بھی ہے وہ وہاں بھی ہے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

میں وہ سرو باغ وجود ہوں میں وہ گل ہوں شمع حیات کا
 جسے فصل گل کی خوشی نہیں جسے رنج باد خزاں نہیں
 مجھے کہا جو شور نشور ہو یہیں پوچھ لو جو ضرور ہو
 میں لحد سے اُتھ کے چلوں وہاں مجھے اِنٹی تاب و توان نہیں
 جو سمجھ گیا وہ سمجھ گیا جو بہک گیا وہ بہک گیا
 کہ عجب حال ہے گو مگر وہ نہاں نہیں وہ عیاں نہیں
 ہونٹیں زرد زرد جو پتھیاں یہ بھی اِک طرح کی بہار ہے
 میں بسنت اِس کو سمجھتا ہوں یہ چمن میں فصل خزاں نہیں

تجہ میں عالم ہے فنا عالم میں تو موجود ہے
 جس طرح گوہر میں ہو آب اور گوہر آب میں

دکھلاؤں میں تجہ کو گل و بلبل کا تماشا
 چل تو سہی اے وعدہ فراموش، چمن میں

بے مشقت کام دنیا کا ہوا حاصل کہاں ؟
 مل گیا فواص کو گوہر لب ساحل کہاں ؟

دھ ہوں عالم ذرات میں ہم ناتواں برسوں
 بنایا ہے ہمیں جب کر چکے ہوں امتحان برسوں
 ”بائی“ کہ کر بلا کا نشہ ہم کو چڑھ گیا یا رب
 نہ آئے ہوئی میں ہم مست جام کن فکن برسوں
 دھوں گا جام کوثر سے نہ خالی ہانہ اے واعظ
 کہ اِن ہاتھوں سے کی ہے خدمت پیر و مغل برسوں

دل رخ سے اُڑ کے پہنچا گیسوے پُر شکن میں
 کعبہ عرب سے اُتھ کر داخل ہوا ختن میں
 جو لن ترانہاں میں پوری کہانیاں ہیں
 خالق پکارتا ہے خلقت کے پورھن میں

آتا ہے زلزلہ تو یہ کہتا ہوں دل سے میں
 تھری طرح تھاں کوئی زلزلہ زمیں نہ ہو

پشت مسجد کی ہے کعبہ کی طرف اے واعظ
کھل گیا حال رہ راست کا سارا ہم کو

حالت تو دیکھ مردم چشم سیاہ کی _____ پھانسی گئے میں پڑ گئی تار نگاہ کی
واعظ خبر اُڑاتا ہے عرش آلہ کی _____ چھت گر پڑے نہ سر پہ کہیں خانقاہ کی

اے ”قدر“ تم بھی کٹتے خوشامد پسند ہو
دل اُن کو دے دیا جو زرا واہ واہ کی _____

شمار میں نہیں موجوں جہان فانی کی _____ جنوں ہے اُسے لہریں گئے جو پانی کی
سمجھ گیا ہوں معمّا تری خموشی کا _____ وہ بات ہو کہ دہن نا پدید ہو جائے

تعلقات جہاں سے چھتے ہیں مرتد میں
سفر تمام ہوا آج اپنے گھر آئے
جو آنکھ ہو تو جہاں اُفریں جہان میں ہے
اِس آٹھے میں سکندر کا ملکہ نظر آئے

ملکسر ہوتے ہیں ہنر والے _____ نخل جھک جاتے ہیں ثمر والے
حق کہو تلخ، جہوت بولو گداز _____ بس خموشی سخن سے بہتر ہے

ہوئے کارواں سے جدا جو ہم، رہ عاشقی میں فنا ہوے
جو گرے تو نقش قدم بلے، جو آٹھے تو ہانگ درا ہوے
کبھی داغ کھاتے ہی آہ کی، کبھی آہ کرتے ہی رو دیے
کبھی ہم چمن کی ہوا ہوے، کبھی ہم ہوا کی گھٹا ہوے

ہوا غل عدم میں وہ ناگہاں کہ ملائی یاروں میں ہاں میں ہاں
آٹھے ہم تو مست الست آٹھے، جو بڑے تو کُن کی صدا ہوے
جو لہو تھا اُس میں بہرا ہوا، تو ہر ایک زخم ہرا ہوا
یہ دل و جگر مرے کیا ہوے؟ کوئی تازہ ہرگ حلا ہوے

انہیں تلکیوں میں فشار ہے کہ تپش میں جسم نزار ہے
یہ قفس میں طائر باغ کھا کوئی مرغ قبلہ نما ہوے

جو نگہ ہے چشم سیاہ میں وہی برق طور ہے راہ میں
تیری آنکھ پر جو فدا ہوے وہ شہید راہ خدا ہوے
بلے ”قدر“ ایسے غبار ہم‘ ہوئے گردشوں میں وہ خوار ہم
کہ مثال دائرۂ فلک جو اُتے تو بے سر و پا ہوے

باغ سے جب ہوا چلی موکدے سے گھٹا چلی
دل کی کلی کھلا چلی دل کی لگی بجھا چلی
واہ رے دورۂ شراب خانقہوں ہوئیں خراب
جہوم دھ میں شیخ و شاب‘ اب کے عجب ہوا چلی

ساقی کہے‘ تو دم نہ کوئی بادۂ خوار لے واعظ کی پکڑی کھا کہ کفن تک اُتار لے
ساقی جو چھاندا ہو سے سرخ سرخ کو واعظ کا سبز سبز عمامہ اُتار لے
مثال آنکھ‘ ہم سب سے ہیں صاف جو دل میں بات ہے‘ ملے پر وہی ہے

گھر کے مثل‘ نہ ثابت کبھی حجاب دھ
جہاں میں سر جو اُٹھائے وہی خراب دھ

گھبرا ہے روے پیار کو زلف دراز نے قرآن اُٹھا لیا ہے بڑے جلساز نے
ہم نے جھلمی ہیں‘ ہجر کی راتوں حشر‘ اے واعظو‘ بلا کھا ہے !
مہرے پہلو میں دل ہوا نہ ہوا آپ کا اِس میں مدعا کیا ہے ؟
ہو گئے لاکھوں خداوند آج کل نام کو گھر گھر خدائی ہو گئی
دیتا ہے روز حشر یہ رندوں کو دھکیاں واعظ‘ زبان روک ! ابھی دلی دور ہے

اے ”قدر“ اُن کو ظلم دیا حق نے‘ ہم کو صبر
ہر بات ہے حکم کی حکمت بھری ہوئی
’امہد‘ مغفرت کی‘ سہہ کاریوں میں ہے
کالی گھٹا میں دیکھی ہے رحمت بھری ہوئی

ہم اگر تھامت میں‘ جم کے تکتی باندھوں
آفتاب معشر بھی‘ روے یسار ہو جائے

اشک سے اگر سہلچہیں، باغ طالب دیدار
شاخ مہن جو گل نکلے روے یار ہو جائے

غزل مسلسل

جو عضو باطن خدا بناتا، تو ہم دل بے قرار ہوتے
جو عضو ظاہر خدا بناتا، تو دیدہ اشکبار ہوتے
جو نقش ہم کو خدا بناتا تو بلغمہم نقش نامرادی
غبار ہم کو خدا بناتا، تو اپنے دل کا غبار ہوتے
خدا کسی کے گئے لگانا، تو پڑتے اپنے گئے اُلجھ کر
خدا کسی کا جو ہار کرتا، گئے کا اپنے ہی ہار ہوتے
خدا ہمارے جو پر لگانا تو شب کو پروانہ بن کے چلتے
خدا جو نعمے ہمیں سکھاتا، تو دن کو نالں ہزار ہوتے
خدا کسی کا جاہل کرتا، تو ہوتے غم خوار ہم غصہ کے
خدا کسی کا انیس کرتا، تو قہر کے فمگسار ہوتے
فرض کہ ایسا مصہبتوں کا ہمارے دل کو مڑا پڑا ہے
کہ ”قدر“ ہم کو خدا بناتا، تو ہم ذلیل اور خوار ہوتے

قصائد

مدح میر محبوب علی خاں، شاہ دکن

باغ پر آج گھٹا توپ اُٹھا ہے بادل
خسرو باد بہاری کا کھنچا دل بادل
اُپر خیمہ ہے تو ہوندیں ہیں طالب خیمہ
چوب خیمہ ہے دھمک، سبزہ ہے فوہں متغسل
جھک پڑی کالی گھٹا، دن ہوا بوسات کی رات
سب کو ہر پھر کے دکھا جانی ہے بجلی، مشعل
باغ مہن چاروں طرف آگ لگائی گل نے
سبز جھاڑوں پہ گلستان مہن چڑھے لال کنول
قہقہہ مار کے گل کہتے ہیں ”سبحان اللہ“ !
”بارک اللہ“ ہے پتوں کی زباں پر ہر پل

یوں سراپور میں باران بہاری سے سرو
جھسے چوٹی کے شوالے میں چڑھے کڈکا چل

گری پڑتی ہے درختوں پہ صبا مستانہ
فلچے کہتے ہیں چٹک کر کہ سنبھل دیکھ سنبھل
گل سوسن کو جو تورو تو مرا بخت سیما
سرو و شمشاد کو چھانگو تو مرا طول امل
سونگھو ' لالے کو تو یک بخت مرا خون جگر
دیکھو سنبھل کو تو بالکل مری قسمت کا ہل
کہا ہی شاداب میں گل ' رنگ چوا پڑتا ہے
شاخ گل کہتی ہے بلبل سے کہ لے مہندی مل

شاہد فصل بہاری ہے غضب کی چنچل
کبھی پھولوں سے ہنسی ہے کبھی غلچوں سے چُہل
شاخیں جھک جھک پڑیں ' یا شاہد فصل گل نے
ناز سے ڈال لیا سر پہ اُلت کر آنچل

قوت نامہ ہے ' اُتھتی جوانی ہو پل
کہ جوانان چمن آج میں کچھ اور میں کل
کیا عجب سرو پہ بیچوبہ گردوں تک جامے
کیا عجب گردہں افلاک میں آجائے خلل
کیا عجب لوگ ہتھیلی پہ جمالیں سوسوں
کیا عجب ہاتھ کے تل سے کوئی پھوٹے ' کوپل
کیا عجب رشتہ زناں سے بھلیں پھیلیں
کیا عجب دانہ سبھہ سے اُکے ' نخل امل
کیا عجب روح شہیداں بھی پے دید بہار
خاک سے بھر بھرتی کی طرح اُتے نکل
بافہان چمنستان کا ہے گردوں پہ دماغ
مجھ کو تر ہے کہیں دھواں سے نہ ہو رد و بدل
سبزہ شمشاد سے ' شمشاد ہے طوبی سے ہلند
جانے طوبی نہ کہیں عرش کے اُس پار نکل

جو یونہیوں پہولتی پہولتی دھئی گلشن میں بہار
 جو یونہیوں نامیہ کرنا رہا ہر عقدہ ' حل
 کیا تعجب ہے جو گولر میں نکل آئے پہول
 کیا تعجب ہے اگر سرور میں آجائے پہول
 کیا تعجب ہے کہ پتھر میں نمو پیدا ہو
 خاک سے چرخ کی جانب کو چلے بلند ہوا چل

ہے یہ گھلگھور گھٹا ہانہوں کا دل بادل
 کجلی بن دھوم سے جنگل میں منامہ منگل
 کالے بادل جو دے پانو چلے جاتے ہیں
 بے صدا پانو یہ دھرتی ہے زمیں پر ہر پل
 کہیں بادل کی گرج سے بھی زمیں ہلکتی ہے
 اس کی چلگہار سے ہوتی ہے فلک کو ہل چل
 پہلے ہم عرش کی زنجیر سلنا کرتے تھے
 دیکھ کر سونٹ میں زنجیر ' وہ عقدہ ہوا حل
 لے کے یہ سونٹ میں پائی کو ' آڑائے جو پہلے
 سارے عالم کو نظر آئے برستا بادل
 میں عماری میں مرے قبلۂ عالم جو سوار
 پوشش کعبہ سیہ ہے نہیں ہاتھی کا متصل
 تیغ در دست ہیں ہانہی یہ حضور پرنور
 کالے بادل میں چمک جاتی ہے بجلی ہر پل

نیمچہ سبز ہے ' پر خوں میں بہرا جانا ہے
 لال پہولوں میں لدی جاتی ہے اُتھتی کو پل
 آب تک خشک ہے کیا قہر ہے تلوار کی آنچ
 آنچ اک برق ہے کیا ابر میں ڈرہا ہے پہول
 چرخ پر چڑھ کے جو اُتری تو بلی عید کا چاند
 عود قرباں کا کیا کام ' مہان مقتل

میر لائق علی خان، مدارالہمام کی مدح میں
 ہاں مری طبع رسا ! خاک سے افلاک پہ چڑھ
 ہاں مری فکر بلند ! آج پہنچ کرسی پر
 ہاں مری دست بیاں ! عرش کی زنجیر ہلا
 ہاں مری پائے ٹلا ! عرش کے اُس پار تھہر
 ہاں مری شور مقامات ! بجھا دے قنکا
 ہاں مری زور خہلات ! جما دے لشکر
 ہاں مری وہم رواں ! اُتھ کے بٹھادے سکہ
 ہاں مری فہم جواں ! بڑھ کے بچھادے منہ
 ہاں بلاغت ! وہ فصاحت سے سداے خطبہ
 سن کے ”سودا“ بھی کہے صلّیٰ چلا کر
 اُس کی آواز سے گور متعلّبیٰ هل جائے
 ہند سے تا عرب اک دھوم دھ آتھ پھر
 تلخ ہندی جو کھنچے نور کے جوہر چمکھوں
 جوہر خنجرِ روسی کے بجھا دوں تھور

اُس کا شہدیز چھلوا ہے ، کہ اک تھر نظر
 چاند ہے ، برق جھلندہ ہے ، کہ اک باد سحر
 اک دبور ، ایک صبا ، ایک شمال ، ایک جنوب
 دست و پا چاروں میں یہ چار ہوائیں مل کر

میر نے ساقی نے مری ملہ سے لکایا ساغر
 مطربو ، مجھ کو سلہالو میں گرا ہر بٹ پر
 مغربو ، ہاتھ مرا تھام لو ، درزر ! درزر !
 خدمت پھر مغاں میں مجھے پہنچاؤ مگر
 میکشو ، راہ سے اُتھواؤ خم و جام و سبو
 مست ہوں ، مست ہوں ، لگ جائے کی مہری تھوکر
 نہلے کھا چھاپا کہ آنکھوں میں اندھیرا چھاپا
 اب سبہ مست نظر آتا ہے مہنگانہ پھر

نشے میں چور ہوں چھپتے نہیں اسرارِ دلی
دل میں جو آتا ہے آتا ہے زبان پر فر فر

راجا محمد امیر حسن خان، والی ریاست محمود آباد کی مدح میں

چمن کا پہاڑ ہے، گلیوں کا ہو گیا انہار بلندھا ہروس بہاری کے در پہ بلندھاوار
بدل کر آئی ہے مشاطہ صبا، چوڑا سفید ابر بھی چھایا تو ہو گیا گلزار
دھڑی جمائے ہوئے سوسن اچھے ہونٹوں پر حلدا لگائے ہوئے پلچے میں ہے دست چنار
گلوں کے چہرے پر افشاں چلی ہے شہنم نے جو غارِ ملتے ہے رخ پر ہوائے فصل بہار

بنی ہے زخمہ ہر اک علیلِ لب کی مقدار
جہاں پڑی دگ گل پر، بچا چمن میں ستار
گرچ ہے بادلوں کی، یا کُٹک ہے طبلے کی
جو مور ناچتے ہیں، ہل رہا ہے سب گلوں
لگائی ہے گل شبِ رونے ملے سے شہنائی
جو پتے ملتے ہیں، جہانجہیں بجاتے ہیں اشجار
بہرے ہوئے ہیں پھالے گلوں کے شہنم سے
پڑی جو شاخ اُٹھی چل تو رنگ کی جھلکار
ہے اُس بہار میں ایسا جنوں کا جوش و خروش
مثال سلسلہ بچتا اُٹھا چمن کا بخار
یہ حال دیکھ کے صوفی بھی وجد کرتے ہیں
ہوئی ہیں حال سے بے حال قمریانِ نزار

وہ خاک ہوں جو اُڑائے ہوئے دھر مجھے
میں آسمان پہ چڑھ جاؤں اُٹھ کے مثلِ غبار
غبار چہرہ گردوں، دلیل باران است
بدرس پڑوں توے گلشن پہ بن کے ابر بہار
تو اُس سے، خلق ہو سجنہ، زبان کی صورت
خضر کا رنگ ہو پودا، مسیم کی گفتار

مہاراجا مان سنگھ بہادر کی مدح میں

آئی بہار، سبز ہوا چرخِ اخضر ہر کہکشاں بھی، صورتِ شاخِ چمن، ہری

کہا لالہ زار ہے ، شفق چرخ چلبری سورج مکھی ہوا گل خورشید خاوری
اب کی بہار آئی ہے کہسی ہری ہری

طاؤس پھر رہے ہیں خراماں ، چمن چمن
ہیں ہاسمیں و سنبل و ریتکاں ، چمن چمن
کہسا کھلا ہوا ہے گلستاں ، چمن چمن
اب تو ہوا ہے تخت سلیمان ، چمن چمن
بوٹے اُگے ہیں باغ میں امسال کھا پری

سب صحن باغ ہو گیا ، میدان کار زار
لالے کی پلٹلوں نے جمائی الگ ، قطار
ہر شاخ گل ، کہاں ہوئی خم کھا کے ایک بار
پتوں کی نوکوں ہو گئیں ، پیکان آبدار
بن گئی ہر اک دگ گل تھری کی سری
ہے آبرو بہار کی اب تو خدا کے ہاتھ
پھیرے ہیں باغبان نے کس کس بلا کے ہاتھ
وہ رہ گیا چنار بھی ، اپنے بڑھا کے ہاتھ
پھولے ہوئے ہیں باغ میں موج صبا کے ہاتھ
پہڑوں کے تھالے ہو گئے پھولوں کی ٹوکری

طارم کھلچا ، تو عرش معلیٰ سے بڑھ گیا
شمشاد اُٹھا ، تو سندرة و طوبیٰ سے بڑھ گیا
سبزہ چلا ، تو خضر و مسیحا سے بڑھ گیا
سنبل بڑھا تو زلف چلچلایا سے بڑھ گیا
ایک اک کو صحن باغ میں ہے کس قدر چری

حلقے میں پیل مست ہیں یوں جھومتے کھڑے
جیسے گھٹائوں آتی ہوں ساون میں چنوم کے
چلگھڑیں ہانہوں کی ، وہ مستی ، وہ ولولے
بادل گرج رہے ہیں ، بڑے زور شور سے
اللہ دے دعب ، کانہتا ہے چرخ چلبری

سب پر نظر ہے ، عین عنایت ہے آنکھ میں
 سرمے کے بدلے کحل مروث ہے آنکھ میں
 پتلی سیاہ ، مہر محبت ہے آنکھ میں
 تار نگاہ ، رشتہ الفت ہے آنکھ میں
 مد نظر ہے مردم دنیا کی برتری

ترہنگی چھند

ہے اہر پہ چوبن ، نکھرا گلشن ، اُتر دکھن ، کجلی بن
 بجلی کی چمک ہے ، گل کی مہک ہے ، دل کی لہک ہے ، یہ ساون
 موروں کی وہ کوکوں ، رند نہ چوکوں ، خون نہ تھوکوں ، دل ہو مگن
 پھولوں پہ وہ بلبل سرو پہ صلصل ، عشقہ و سلبل درلہا دولہن

کوئل کی صدائوں ، تھلکتی ہوائوں ، اودی گھٹائوں ، من بھائوں
 وہ نور کی نہریں ، نہروں کی لہریں ، نظرین نہ تھریں ، بہ جائیں
 بجلی کے چکر کو ، نور قمر کو ، موج گہر کو ، توبانوں
 سبزے کی لہک پر ، گل کی مہک پر ، حوریں فلک پر شرمائیں

آباد دُکّاں ہے ، پھرمغاں ہے ، ایک سماں ہے ، ساماں ہے
 رندوں کا چلن ہے ، شیشہ مگن ہے ، قہقہ زن ہے خنداں ہے
 مستوں کی وہ ہو حق ، غم نہیں مطلق ، جان سے مشفق جانناں ہے
 گو مے نہیں باقی یہ مشاقی ، کہتا ساقی ؛ ہاں ہاں ہے

دُغتار بلا ہے ، فغذہ بپا ہے ، غل یہ مچا ہے ، لہنا ہے
 واعظ کی خرابی ، مل کے کبابی آئے شرابی ، دنگا ہے
 پکڑی جو سلجھالی ، بڑھ کے اُچھالی ، بججتی ہے نالی ، بھاگا ہے
 ہتھ پھیری ہو رندو ، جو ہو وہ ہو ، پلچ کا آب تو دردا ہے

رباعیات

جس روز دم شمار اُتھوں گا میں ، کھا تھر سے بھترار ، اُتھوں گا میں ؟
 جب ”اُمّتی“ اُمّتی“ سوں گا ، اے ”قدر“ ، ”احمد !“ پکار اُتھوں گا میں

مجبوروں کا تمام شور ، کس نے دیکھا ؟ فرہاد کا سارا زور ، کس نے دیکھا ؟
 اے دل ! جو تڑپ ، تو اُن کے در پر چل کر ؛ ناچا جنگل میں مور ، کس نے دیکھا ؟

گھل گھل کے ہوا ہے جسم سارا ، مٹی گھل مٹی میں ملائے اے خود آرا ، مٹی
 کھدوا کے لحد تباہ و برباد نہ کر تو اہلک کا گھر نہ کر ہمارا ، مٹی

اللہ یہ شاکر ہوں ؛ خدا اس کا گواہ دیتا ہے وہی رزق ، وہی موت و جاہ
 بلندہ بلندوں سے کھسا توقع رکھے ؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ

اپنا مشروب ، نہیا نکالا ہم نے ؛ خرقہ ، جُبہ ، اُتار ڈالا ہم نے
 اے پھر مغاں ، تجھی سے بیعت ہے ہمیں ؛ لے ، اب تو پھا ترا پھالا ہم نے

لزم کہ بشر بجز نکوئی نہ کرے وہ بات کرے کہ شکوا کوئی نہ کرے
 ہوتانہیں استخوانِ زباں میں ، اے "قدر" ! نکتہ یہ ہے کہ سخت کوئی نہ کرے

جوہر

سادھو رام ”جوہر“ لالہ جواہر مل ساہوکار کے بھتیجے، فرخ آباد کے رہنے والے ”ملہو“ شکوہ آبدی کے شاگرد و شہید، مسعود اور قاد، الکلام شاعر تھے۔ ایک دیوان یادگار ہے۔ اوائل چودھویں صدی ہجری میں وفات پائی۔
کلام دلچسپ، صاف اور شستہ ہے۔ بے تکلف لکھتے ہیں، معاملہ کوئی ان کا خاص طرز ہے جو جدت سے خالی نہیں [۱]۔

غزلیات

جن نگاہوں سے لہا ہے دل شہدا میرا دھونڈتا ہے انہیں تیروں کو کلمہ میرا
مہ نو، ابروئے پرُ خیم، نگہ پرکشتہ ہم نے تیرا ہا جسے دیکھا ایسے خلص جانا
آنی ہے اُس کے کوچے سے آواز درد ناک ہم ہر کہہ دل ہو، کوئی تو دروں میں مر گیا
آہوں سے آگ لگا دیں گے دل دشمن میں چھپ کے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

کہا یاد کر کے دروں کہ کیسا شباب تھا
کچھ بھی نہ تھا، ہوا تھی، کھانی تھی، خواب تھا
اب عطر بھی ملو تو تکلف کی ہو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینا گلاب تھا
مستعمل نشہیں جب آپ تھے لہلیں کے روپ میں
متجسّم کے بھوس میں کوئی خانہ خراب تھا
پہری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہیں گے دن
وہ اور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا
تورا قصور وار خدا کا گناہ گار
جو کچھ کہ تھا یہی دل خانہ خراب تھا

ذرا سمجھ کے یوں نہ ملا مجھ کو خاک میں
اے آسمان، میں بھی کبھی آفتاب تھا

کیا پوچھتا ہے حال، رہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں ہمارا وہ گیا

تھہری جو وصل کی تو ہوئی صبح، شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا
کیا جانے کس کے دھوکے سے لپٹا لیا مجھ
کہ دروں میں تیرے ہی کی: تو اس دم یہاں نہ تھا
کھونکر قسم پہ آج مجھ اعتبار آئے
کس دن خدا تمہارے مرے درمیان نہ تھا

یاد آتے ہوں جوانی کے مژے پوری میں قدرت اللہ کی، تھا وہ بھی زمانا کوسا؟
آخر اک روز تو پیوند زمیں ہونا ہے جامہ زیست نیا اور پرانا کوسا؟

غور کے دل کو مے عشق، سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے، ملہ تک نہ کہیں بھر دینا
کہتے پھرتے ہوں یہ کوچے میں پریزادوں کے:
خانہ برباد ہیں، رھنے کو کوئی گھر دینا
یار بندے ہیں محبت کے فقط، اے ساقی،
شوشہ جس دل سے اُسی آنکھ سے ساغر دینا
یہ بھی ہے تھلگ کوئی بادہ کشی کا: کیا خوب!
یہ کسی اور کو ملہ پھیر کے ساغر دینا

کعبے کی تو کیا اصل ہے اُس کوچے کے آگے؟ جنت ہو تو جائے نہ گنہگار تمہارا
دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا؟ سلتے ہیں مسیحا بھی ہے ہمارا تمہارا

اُس نے پھر کر بھی نہ دیکھا، میں اُسے دیکھا کیا
دے دیا دل راہ چلتے کو: یہ میں نے کیا کیا؟
دیر و مسجد پر نہیں موقوف کچھ، اے فافلو،
یار کو سجدے سے مطلب ہے، کہیں سجدا کیا

گل تو کیا خار وطن بھیجے نہ تھکے میں کبھی
دوستوں نے مجھ سے قربت میں سلوک اچھا کیا
اے دل ناداں ' تجھے سمجھائے کوئی کس طرح ؟
تسو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا
رازِ اَلغمت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
بس چلا جب تک مرا ' منہ ڈھانپ کر رویا کیا

آنکھیں گل سے مناسب ہے حذر ' اے بلبل ' ہاتھ رکھتا ہے کوئی ' جان کے ' انکاروں پر

تا صبح تھوڑے ہیچر میں ہم کروتھیں بدلا کیے
رکھا ہے تکیہ رات بھر گاہے اُدھر ' گاہے اُدھر

چار آنکھیں ہوتے ہی برجی جگر پر چل گئی
بات کچھ منہ سے نہ نکلی رہ گئی ہم دیکھ کر

ہم سے چھپا کے آنکھ لٹاؤ گے تم کہاں ؟
دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے
سب حال بوجھ لیں گے تمہاری نظر سے ہم
تم کس نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم

وقت پر چپ رہیں ' معاذ اللہ ! کہنے والے کہیں ہزاروں میں

اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل
کیا زمانہ ہے ؟ کسی کا ' اے خدا ' کوئی نہیں

یہ واعظ کبھی بھکی بھکی باتیں ہم سے کرتے ہیں
کہیں چڑھ کر شراب عشق کے نشے اُترتے ہیں
تکلف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو بے کہے دل کی
مزا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں

دو سالہ قال کے لاشے یہ آتے ہیں ملمع
ابھی نہیں گلیوں ان کی غرور کی باتوں

دھونڈ لیں گے جب کوئی تم سا تبھی چون آئے گا
ہم بھی اپنی فکر میں رہتے ہیں کچھ فافل نہیں

دو ہی دن میں یہ صلم ہو رہا ہوتا ہوں
کل کے ترشے ہوئے بت آج خدا ہوتے ہوں
دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
یہ وہ کعبہ ہے کہ بت جس میں خدا ہوتے ہوں

لگے اور بھی مے کلنگوں کے جام دے ساقی ابھی تو پیاس ہماری بجھی نہیں

ضعف میں مجھ کو اُتھاتے ہیں وہ لپے در سے
اے قم و یاس پیکریو مرے بازو دونوں

یہ جاننا ہوں مگر کھا کروں طبیعت کو کہ مے حرام ہے اے واعظو حلال نہیں

کفر و دین میں ہے خلش ہرہمن و شہنخ سے بیچ
اس دو راہ میں مسافر کو ہوں کہتے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاٹتے ہیں عشق میں
اے محبت پے بسی میں لوگ کیا کرتے نہیں؟
ہو گئے ہیں مضطرب پر اب بھی قم کھاتے ہیں روز
آپ کے پیسار پرہیز غذا کرتے نہیں

ایسا دپٹا اُس نے دیا مجھ کو بعد مرگ
ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں

جس کو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گھا دیکھے ہیں ہم نے عشق کے پیسار سیکڑوں

آج اے مرگ کھلی ہستی موہوم کی اصل
کچھ سمجھتے تھے ہم اس شے کو مگر کچھ بھی نہیں

تصوّر زلف کا ہے اور میں ہوں بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں
بُغوں کو کھوں دیا یہ قد و قامت تھا امت میں خدا ہے اور میں ہوں

اپنی کہیں کہ اس دل خانہ خراب کی
اپنی خودی مٹائیں تو پائیں وہ وصال
تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں
کہو نہیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں
کس سے سوال شہشہ و جام و سہو کریں
پھر مغال تو مست ہے آپ اپنے حال میں

دامن جدا ہے چاک، گریباں جدا ہے چاک کس کو سیوےں بے تائید، کس کو رنو کریں

بہکی بہکی ہوں اُس کی باتیں ”ساقی، ساقی“ پکارتا ہو
اُجلی اُجلی سی چاندنی میں گورا گورا بدن کھلا ہو

نہند آنکھوں میں بھری ہے، کہاں رات بھر رہے؟

کس کے نصیب تم نے جگائے، کدھر رہے؟

شب جھسی گزری دن بھی گزر جائے گا مرا

جاؤں وہوں حضور جہاں رات بھر رہے

کیا بے تائید مزاج کیسا ہے ہم کہاں، دل کہاں، خدا جانے

یوں تو ملنے دیکھے کی ہوتی ہے مصیبت سب کو

جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھواں رہے

جس کے پامال ہیں کہاں گئے اُسی کی ٹھوکر

کہ دیا ہٹ کے چل، او فغانِ مستحضر، ہم سے

کیا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ تا چاند ملتظر مری آنکھوں میں دم رہے

مہرے ہوتے نگہ تھر رقیبوں کی طرف دیکھے دیکھے یہ تھر خطا ہوتا ہے

جان لے کر پھر چلایا تھا تو لازم تھا وصال

کیا خبر تھی مجھ کو دم دے کر خفا ہو جائیں گے؟

خط لکھا پیار نے رقیبوں کو زندگی نے دیا جواب مجھے

کامل

علی میاں ”کامل“ محمد آباد گھٹا ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا۔ ان کا خاندان محمد آباد سہوڑے میں بہت مشہور ہے۔ اور علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ ان کو خود اپنے کمال کا احساس تھا اور لکھنؤ کے شعرا ان کے کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ کلام کا مجموعہ ان کے امرا کے پاس محمد آباد میں محفوظ ہے۔

”کامل“ معمولی مضمون کو بندھ کی خوبی اور ترکھب کی چستی سے بہت بلند کر دیتے ہیں، تازہ مضامین بھی پھندا کرتے ہیں۔

غزلیات

خدا سے مانگ کر روزی، نگ و دو کی اگر تونے
خجول پائے طلب یا ملنے دل دست دھا ہوگا
جیہیں گئے خاک ہم، جب سرگیا دل ونجے فرقت میں
وہ کشتی کہا بچے گی، فرق جس کا نا خدا ہوگا؟
فقیر اللہ کے، جائز نہیں رکھتے تکلف کو؛
وہ دنیا دار ہوں گے جن کے گھر میں پوریا ہوگا
ہماری بلنگی کی قدر اُس کو، اے بتو، ہوگی
ہمارے بعد جو در پر تمہارے جہہ سا ہوگا

مدار کار ہے نقضوت یہ نکتہ دانوں کا :
عزیز زخم جگر اُس سبب سے ہے مجھ کو
مغائے نقض قدم دھروں نے خوب کہا
خزاں میں غم شب تہرہ کا بلبل نہیں نہ کریں
ہوا کے ہاتھ میں دامن ہے بادبانوں کا
کہ یادگار ہے احباب کی زبانوں کا
کہ بھٹہنا بھی تو مشکل تھا ناخوانوں کا
چراغ بن کے جلے گا خس آشیانوں کا

ہمارے دل کو، شکار انگلو، ملال نہ دو کہ تھر خوردہ ہے افلاک کی کمانوں کا
 کھل کر صنت شمع فلدا ہو گئے اعضا تابوت کا محتاج ہوا میں نہ کفن کا
 دنیا کی طمع کہوں نہ ہو انسان کو زیادہ اس چاہ کے انداز سے ہے طول، رسن کا

مدح سے کرتے ہیں جاہل کو فلدا خواں مغرور
 بیت کو سجدوں سے بناتے ہیں پرہمن کھوسا؟
 آشیاں ساتھ ہی لے کر ہے نکلنا بہتر
 میں گراں، باغ کو جب ہوں تو نشیمن کھوسا؟

بلبل یہ رات دن کا چمن میں خروں کھا؟
 کچھ خیر ہے، کہیں گے تجھے اہل ہوش کھا؟
 کھولیں زباں کو شمع کے مانند بزم میں،
 بھٹھوں چراغ کشتہ کی صورت، خصوص کھا؟
 ”کامل“ کے سر میں روز ازل سے ہے سوز عشق؛
 رکھ گا سر کو وہ سر بالین ہوش کھا؟

اظہار شوق کر نہ سکی گل سے عندلیب گلچیں گیا تو باغ میں صیاد آگیا
 اک آسمان تازہ بناتی ہے آرز کے خاک اس کو بھی کھا سلہٹ ایجاد آگیا
 چمکی جواب میں ”ارنی“ کے جو برق طور مجھ کو کسی کا چاند سا رخ یاد آگیا
 کچھ دیر بے تمہزوں کے حلقے میں بھٹھ کر
 ”کامل“ دھان گور مجھ یاد آگیا

ہجر میں بالین پتہ، اے دل، موت ہی آہٹھتی
 کوئی تو، میرے تزیئے کا تماشا دیکھتا
 اُن کی مرضی تھی کہ خوہں ہوتا جلے دل کو میں
 پھونکتا خود اپنے گھر کو، خود تماشا دیکھتا

خضر کے مانند خواہاں زندگانی کا نہیں؛
 اے اجل، تشنہ میں اس دریا کے پانی کا نہیں
 درد کو ہمراہ کہوں لاتا ہے دل میں وہ خدنگ؟
 کھا سلہٹہ خود اُسے راحت رسانی کا نہیں

سائے کے چھوٹ جانے سے دھرو ہوں کیوں مدلول؟
 کیا اُن کے ساتھ راہ میں نقش قدم نہیں؟
 جاکر نماز کعبے کے اندر پڑھی تو کیا؟
 طاعت ہماری مایہٴ فاز حرم نہیں
 روشن ہوں کیوں جنازے کے ہمراہ مشعلیں؟
 نا آشنائے راہ ہمارا قدم نہیں

حاجت کا عہد چھپ نہیں سکتا جہان میں
 ساعدیہ وہ ہے جس کے لئے آستیں نہیں
 میں کیوں کسی سے دہلے لگا اے حریم دوست؟
 کیا تھرے آستانے پہ مہدی جیہیں نہیں؟
 ”کامل“، یہ رفعتہ رفعتہ بڑھائی ہے مشق صبر:
 دل مرگیا ہے اور ہم اندوہگہیں نہیں

گھٹنا کر بدر کو لایا ہے حالت میں مہ نو کی
 بدل دیتا ہے دور چرخ ہیئت باکمالوں کی

لاش مہدی ہی جلائی اُس بت کافر کو تھی؟
 کشتہٴ بیداد تھے آخر مسلمان اور بھی

میں ملاقات کو اُس کی جو حرم میں آیا
 شہر پہنچانے گیا تا در مہرخانہ مجھے

یہ سمجھ لے، بزم میں، اے شمع، آتی ہے اکر؛
 چلتے چلتے شام سے تجھ کو سحر ہو جائے گی
 بلند ہوتے ہی لحد، چلنے لگھیں گے دل کے داغ
 شام کے ہوتے ہی، اِس گھر میں سحر ہو جائے گی

آرام چاہتا ہے تو صبرا میں آ کے بیٹھ
 دیبا خجیل ہے نرمی فرش گہاے سے
 پیدا کیا ہے رخ کی محبت میں داغ دل
 لایا ہوں یہ چراغِ شہستان ماہ سے

نرگس کی آنکھ باغ میں اچھی تھی یا ہری
”کامل“ کسی کے عیب کی تو پردہ در نہ تھی

آدمی دیر میں یا خانہ دار میں رہ
سر دھ دوست کے سجدے میں کسی گھر میں رہ
ہاکم۔الوں کو زمانے نے ابھرنے نہ دیا
صورت اٹلہ دہے ہوئے جہر میں رہ
چپ ہوئے روکے تو کھینچیں شرر افشاں آہوں
ہم کھئی ابر کھئی برقی کے پھکر میں رہ

آنکھوں کو ہلک کر تو دکھائی دے دوے دوست
پوشیدہ آفتاب غبار نظر میں ہے

نہ دینا اس تصور کو چمکے اے دوست، خاطر میں
کہ تیرے ناوک بھداد مہرے دل سے نکلیں گے
نگاہ لطف سے معروم رکھے گا، خوشی اُس کی
دعا دیتے ہوئے ساقی کو ہم معطل سے نکلیں گے

قطعہ

نام کا تیرے وظیفہ تھا زباں کو صبح و شام
مرحبا، اے دردِ اُلفت، عشق ہے تیرا ہی نام
فمکدے میں خاطر ناشاد کے تشریف رکھ
ملزل دل کو مشرف کر باعزاز تمام
عشق وہ سرکار ہے جس کی زلہ تھا ہے کلہوڑ
عشق وہ بازار ہے جس میں ہے یوسف سا غلام
عشق ہے صبح ازل کا حکمران بلند و بست
عشق ہے شام ابد کا رمزدان انتظام
عشق کے دریا کا اک قطرہ ہے، نہر سلسبیل
عشق کے صحرا کا اک گوشہ ہے، گلزار دوام
عشق ہے وہ نور، ہے اضداد میں جس کا ظہور
عشق ہے وہ ربط، جس سے ہے عناصر کا قوام

باغِ مہیں ہے بوئے گل اور دشتِ مہیں ہے نوکِ خار
سنگِ کے دل مہیں شرورِ دریا مہیں ہے ماہی کا دام
سرنگوںِ خلوتِ مہیں ہے اور انجمنِ مہیں سرفراز
مدریے مہیں ہے کتاب اور معرکے مہیں ہے حُسام

ذاکر

ذاکر علی "ذاکر" شادپور ضلع نعتیہ پور ہسوا کے رہنے والے آکرے کی کمشدری میں سررشتہ دار اور حاتم علی بیگ "مہر" کے شاگرد تھے - ۱۳۰۴ھ کے بعد وفات پائی - ان کا دیوان جس کا تاریخی نام "نغمۂ بہار" (۱۳۰۳ھ) ہے مطبع بہار ہند، آکرے میں ۱۳۰۴ھ میں چھپا - فارسی کا بھی ایک مختصر مجموعہ ان سے یاد گار ہے -

"ذاکر" بڑے پُر گو شاعر تھے - کلام میں سادگی، روانی اور صفائی کا عنصر کم ہے [۱] انداز بیان پاکیزہ ہے - اور تغزل میں "ناسخ" کا رنگ معلوم نہیں ہوتا بلکہ "آتش" کا گداز موجود ہے -

غزلیات

عیاں اُنہلے دل میں ہے جلوہ حسن جانان کا
غبار ایلا ہے غازہ عارض خورشید تابان کا

کچھ گدے اُن کا نہ شکو مجھ کو چرخ پور کا
آپ میں قائل ہوں اپلی خوبی تقدیر کا

قسمت میں جو لکھا ہے ملے گا وہی ہوش
یہ حصہ کمی بھشی کے قابل نہیں ہوتا

کعبہ دل بت بیدیں جو ترا گھر ہوتا
کون پھر تھرے خدا کہنے سے باہر ہوتا

یوسف سے کہیں حسن جدا گانہ ہے اُس کا فرق اتنا ہے وہ شمع وہ پروانہ ہے اُس کا
لہتا ہے بلائیں دل صد چاک ہمارا اُلجھا ہوا بالوں میں کہاں شانہ ہے اُس کا

کہا تصور ہے تری انجمن آرائی کا ! بزم سے بڑھ کے ہے گوشہ مری تہائی کا
جس طرف آنکھ اُٹھاؤں وہی آتا ہے نظر حسن چنانا ہے مستخر مری بھائی کا

خانہ دل ہے دم سرد سے تہلدا کیسا صورت یاد چلے اُنھے پردا کیسا
جل مرے غم جو تم آگ بجھانے آئے ہم نے گھر پہونک کے دیکھا یہ تماشا کیسا

لہا کدائی میں صورت سے اپلی کار زبان چھپا سکی نہ خموشی کہی سوال اپنا

وہ بت مجھ سے ناحق خفا ہو گیا خدا کی خدائی میں کیا ہو گیا
معجب الدعا ہو گیا دستگیر بلند اتنا دست دعا ہو گیا
کوئی دم میں ہم جائے گا تو ت کر دل درد مند آہلا ہو گیا
چھڑایا غم زندگی سے مجھ مرض مہرا مجھ کو دوا ہو گیا

دل میں باقی ہے ابھی دشت نور دی کی ہوس
پار تلوں سے نہ ، اے خار بیاباں ، ہونسا

دے کے خط جان بھی دی ، دل بھی دیا قاصد کو
ہم نے اُس آفت جان کے لئے بھیجا کہا کہا

دشت غربت کے مزے یاد رہیں گے جب تک
رخ ادھر اے کشش حب وطن کہا ہو گا

معاف کر دیے سارے گناہ روز شمار خدا کو رحم جو آیا تو بے حساب آیا
نہ ہوئی آہوں سے کم ، روشنی داغ جگر گل کسی طرح چراغ اپنا ہوا سے نہ ہوا

پر سجدہ کہوں سر جھکا ہے کسی کا ؟ وہ بت ، توبہ توبہ ، خدا ہے کسی کا

نہ چلا دب کے آسمان سے کہی مہرے مشت غبار ، کہا کہنا !

کس کے گھر کی میں راہ بھولا ہوں ڈھونڈے ملتا نہیں جو گھر اپنا

ہم پری کہتے ہیں اُن کو ، وہ ہمیں دیوانہ ایک مدت سے یہ جھکوا ہے ہمارا اُن کا

پہلچوں ابھی جو ترک رہ مدعا کروں اِس راہ سے ہے منزل مقصود دور کہا

کس درجہ پائمالی کی ہے آرزو مجھے اِستعداد ہوں میں صورت تصویر نٹھس پا

ناتوانی سے مرزا عشق کا حاصل نہ ہوا
میں ترے ناز اُتھانے کے بھی قابل نہ ہوا

میٹھانے کا تو حضرت واعظ نہیں خیال ؟
مسجد میں ایسے بیٹھے ہوں کہوں بہتخبر سے آپ ؟

جاگے نصیب طالع خفتہ شب وصال
سوئے نہ ساری رات جو بھم سحر سے آپ

کہا ہے پست زمانے نے اِس قدر مجھ کو
زمین بلند ہے نظروں میں آسماں کی طرح

کہوں نہ ہوں صرف تواضع ؛ ہمت تن جاں ہو کر ؟
اُئی ہے مہروی اچل گھر مرے مہماں ہو کر

کہتے ہوں ناز سے وہ رکھ کے قدم مدفن پر
ہے مرے پانوں کا احسان تری گردن پر

کہا سمجھ کر کوئی مرے تجھ پر نہیں چھٹے کا اعتبار افسوس

کہا خاک ہو غم دل اندوہ کھیں غلط لکھا نصیب کا بھی ہوا ہے کھیں غلط
دونوں جہاں میں تھرا بہلائے کوکے اے جڈوں تھرے ہی دم سے ہے غم دنیا و دیں غلط

جواب کریۃ شہم ہے چشم تر مہروی تبسم آپ کا ہے انتصاب خلدۃ کل

اندوہ و درد و یاس و غم و حسرت و ملال
کہا کہا نہ ساتھ لے کے چلے اِس جہاں سے ہم

ویرانی چمن کا نہ صدمہ ہو ، یا نصیب !
مر جائوں گاں پہلے ہی فصل خزاں سے ہم

نظروں سے آج اُن کی یکایک اُتر کئے
رونے کا ہے محفل کہ گریے آسماں سے ہم

صیاد کس کو اب ھے دھائی کی آرزو؟
کلیج قفس میں خوش ھوں کہیں آشیاں سے ھم

روز حساب پرسش اعمال کچھ نہ ھو؛ یارب، ترے کرم کے ھیں امیدوار ھم
خوف گلے سے ھو گئی صورت ھی اور کچھ؛ کیا ملے دکھائیں گے تجھے پروردگار ھم؟

اس درجہ محو لطف قفس ھوں کہ اب مجھے
یہ بھی خبر نہیں ھے کہ تھا آشیاں کہاں

دیر و حرم کا ھم سے پتا پوچھتے ھو کیا
ھم مست ھیں خدا کے، ھمیں کچھ خبر نہیں

اُن کا ھم مجلس نہیں حسن کے بازاروں میں
ایک یوسف تھا، سو وہ بھی ھے خریداروں میں

دھجھیاں دامن صحرا کی آرا دیں گے، جنوں!
اب یہی تھہری ھے ھم چاک گریبانوں میں

رکھتا ھوں شان رحمت ایزد نگاہ میں
سو سو ثواب ھوں مرے اک اک گناہ میں

دھی بعد دھائی بھی اسہری کی ھوس مجھے کو
نہ بھولا آج تک، صیاد، آرام قفس مجھے کو

صبا کہی جو سوے کوے یار چلتی ھے لہے ھوئے مرا مشیت غبار چلتی ھے
تہمے نہ سوز محبت سے ھم بھر آنسو، برنگ شمع دھ ھم جس انجمن میں دھ

شب بھر کا سارا جلوہ ھے پھر صبح کچھ نہیں
پردانو، عمر شمع نہایت قلیل ھے

فرقت میں آئے موت تو یہ کہ کے تالوں ھم اللہ سے ملوں گے نہ بے یار سے ملے

میں نے اے دیوانگی، دیکھا نہیں دنیا میں کچھ؛
آنکھ بھی خالق نے مجھے کو دی تو پتھرانی ھوئی

خواب مہوں معصو تماشاے رخ یار رہے شکر ہے عالم غفلت مہیں بھی ہشیار رہے

موت کا کس کے ڈرانے کے لیے پہنچا ہوا عاشق جانناز مہیں مرنا ہمارا کام ہے

اسوہی نے کہا ہے تلک جاں سے گلا کہنے لگا طوق کراں سے

خدائی کا ہے دعویٰ کس زباں سے کوئی پوچھے بتاں بے دہاں سے

جہاں تھا مثال خضر تو کیا مہیں در گذرا حیات جاوداں سے

یوں تو سب قائل تکریر مقتدر ہوں مگر

یہ بتا سکتا نہیں کوئی کہ لکھا کیا ہے

موت مہری شکل سے بھزار ہے زندگی کی کہا ہو صورت دیکھو

کر گئے ہوں وعدہ محشر وہ آج کب ہو فرداے قیامت دیکھو

تم کہے جاؤ ہو مہیں خاموش ہوں مہیں کہوں تو بات کہا رہ جائے گی

اک اک سے پوچھتا ہے جو اس انجمن مہیں ہے

فانوس مہیں ہے شمع کہ وہ پھر مہیں ہے

صغیر

شاہ غلام حیدر [۱] ”صغیر“ لکھنؤ کے رہنے والے شیخ دھومن کے بیٹے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے۔ پہلے ”ناسخ“ سے پھر ”شک“ سے تلمذ رہا۔ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) میں وفات پائی۔ ان کا ایک مختصر دیوان ”یادگار صغیر“ جسے انہوں نے ۱۲۸۳ھ میں مرتب کر لیا تھا، ان کی وفات کے بعد خان بہادر شیخ احمد حسین ”مذاق“ تعلقہ دار پریانواں نے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا [۲]۔ کلام صاف، سادہ اور تقریباً تمام اصناف سخن پر جاری ہے۔ تصوف کا رنگ غالب ہے۔

مناجات

اے خدائے دو جہاں خالق اکبر تو ہے آفرینندہ مہر و مہ و اختر تو ہے
ناج بخش سر ہر خسرو و قہصر تو ہے سامع شور و فغانِ دل مضطر تو ہے
تھری تسبیح میں ہر شے ہے : وہ معبود ہے تو
جس نے ڈھونڈا تجھے جس جا وہیں موجود ہے تو
قوتِ باصرہ سب اہل نظر کو بخشی آگِ پتھر کو دی اور آبِ گہر کو بخشی
تھری شام کو تلویں سحر کو بخشی منزلتِ عالم کو تو لہرِ ہلر کو بخشی
خاکساری میں شہنشاہ کھلا درویشوں کو
مہر و صل دیا عشق کے دلریشوں کو
زندگانی کا اثر چشمہٴ حرواں کو دیا نورِ گرم آئینہٴ مہر درخشاں کو دیا
جلوئے سرد چراغِ مہ تاباں کو دیا چوہرِ عقل دماغِ سرِ انساں کو دیا
اثرِ سعد دیا ہالِ ہما کے پیر کو
ہورے متی کو دیے لعلِ دیے پتھر کو

[۱]—سخنِ شعرا میں حیدر علی نام لکھا ہے۔ [۲]—یادگار صغیر (مطبع قومی لکھنؤ)

پارسائی مری بدتر ہے گنہگاری سے قیامت خیز ہے بہتر مری بیداری سے
 خوب ہے خفہٴ مہکوار مری زاری سے آگہی ہے تجھے اخلاص و دیہکاری سے
 کس گنہگار کے عصاں تجھے معلوم نہیں
 پر ترے رحم سے خاالی کوئی معذور نہیں

نعت

تن خاکی اگر ہر ہاں ہو جائے تو ہو جائے حریم جسم بے ہنگام ہو جائے تو ہو جائے
 تمام اس عمر کی مہمان ہو جائے تو ہو جائے دل اپنا شان یا ناشاد ہو جائے تو ہو جائے
 نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا
 پیوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا
 تصور ہے رسول اللہ کا آتھوں پھر مجھ کو وہی نور خدا ہر وقت آتا ہے نظر مجھ کو
 جمال پاک اُلفت نے دکھایا! عمر بھر مجھ کو یہی ورد زبان ہے رات دن شام و سحر مجھ کو
 نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا
 پیوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا

منقبت

خالق نے دی تو دیغ شجاعت انہیں کو دی
 حاتم سے بھی زیادہ سخاوت انہیں کو دی
 گو اولیا بہت تھے ولایت انہیں کو دی
 سب کچھ جو دے چکا تو شہادت انہیں کو دی
 ان پر خدا نے مرتبوں کا خاتمہ کیا
 طرفہ یہ ہے کہ زوج پے فاطمہ کیا
 شیر خدا علی ہیں ید اللہ ہیں علی
 شاہان دو جہاں میں شہنشاہ ہیں علی
 راز خدائے پاک سے آگاہ ہیں علی
 مثل نبی مقرب درگاہ ہیں علی
 ذات رسول پاک تو ہے رہلمائی کو
 شیر خدا ہیں خلق کی مشکلمہ شائی کو

خمسۂ نعتیہ

ابر رحمت کی صفت میں ہے مجھے تشنہ لہی
 کون سی بات کہوں وہ کہ نہ ہو بے ادبی
 خوب مضمون بتایا ، رہے اعجاز نبی :
 مرحبا سہد مکی مدنی العربی
 دل و جان باد فدائیت چہ عجب خوش لقی

غزلیات

خدا نہ دے کسی دشمن کو رنج تنہائی ہزار شکر کہ دل ہم سے دافدار ہوا
 مستی ساغر مے ہوتی اگر ، اے ساقی ، عہد پیروی کو میں ایام جوانی کہتا
 کس طرح دل کو کلاہچے سے لگائے نہ رہوں
 یہ وہ آئینہ ہے جس میں رخ جانان دیکھا
 جذب باطن سے مرے گھر وہ گل اندام آیا آج مہرا دل بیتاب بہت کام آیا
 غالب بے روح کو وہ بے قراری اب نہیں
 جان شاید اُس پر پرو پر فدا تھی میں نہ تھا
 جذبہ دل نے متایا صدمہ کلیج قفس بڑے گل آئی ہے تسکین جان عذاب
 پیام یار کہاں کا ، جواب خط کھسا ؟ مجھے ملی نہیں مدت سے نامہ بر کی خبر
 توپ توپ کے لگانا ہوں تگرہیں در پر نہ درد دل کی خبر نہ درد سر کی خبر
 بتوں کی بے خبری سے تمام ہو جاتے اگر خدا کو نہ ہوتی دل بشر کی خبر

دل دے چکے تھے آپ کو اب مر کے جان دی
 وہ ابتداءے عشق تھی یہ انتہاءے عشق

قیس یہ دیکھتا تھا نالائہ لہائی کی طرف کہ آرائے کی ہوا پردہ محصل کب تک
 جزو و جناے یار سے شکو نہیں ہمیں اپنے کہہ کی آپ سزا کچھ تو پائے دل
 تمہارے ظلم و ستم لکھ رہا ہوں گن گن کو مرا حساب ہے روز شمار کے قابل

فراغت ہو گئی ہے ' اے جنوں ' چاک گردِ ہماں سے
نہ ہو بیتاب صحرا کا بھی دامن دیکھ لیجے ہوں

دونوں ہوں ایک ' نقل کو دیکھوں کہ اصل کو
آنہلہ اُس سے ہو جو مقابل تو کہا کروں

گو کہ جنت میں ہوں طوبی کے تلے پر ترا سایۂ دیوار کہاں ؟

رہتی ہے بیخبری مجھ کو جہاں رہتا ہوں
ہجر میں یہ نہیں معلوم کہاں رہتا ہوں

دوستو ' حال دل زار کہوں کہا ایسا ؟
پوچھتے ہو وہی جو بات بتانے کی نہیں
اشکوں سے جو سینچا تو پھلا نکل تمنا
محنت نہیں ہوتی کبھی ہرباد کسی کی
بیتاب ہوں میں وصل میں فرقت سے زیادہ
انداز میں دنیا سے نرالے مرے دل کے

ایک دن داغ اے مہ کامل دکھائیں گے تجھے
چاک کو ڈالیں گے سینہ دل دکھائیں گے تجھے
دیکھیں گے حیرت ہماری لوگ خود بھلی تری
آج آنہلہ سر محفل دکھائیں گے تجھے

کس کی صورت ورق دل پر اُتر آئی ہے
وہی آنکھوں میں ہے پتلی وہی بھلائی ہے
قسمت کے لکھ کو کہا کروں میں نامہ تو ہے نامہ بر نہیں ہے

قصیدۂ

واجد علی شاہ کی مدح میں
شہ گردوں نشیں ' قطب زمیں ' مہر جہانپانی
سلیمان زماں ' سلطان عالم ' ظل سبحانی
فریدوں سلطنت ' جمشید فر ' نوشہرواں نصرت
سکندر بارگہ ' دارا حشم ' کھیتسرو ثانی
بیان حسن سہرت یا بیان حسن صورت ہو
سنگے حاتم طائی ' لقاے ماہ کلعانی

جمال شاہ کا ہندوستان سے قاف تک فل ہے
 حسینان جہاں خود رفتہ ہوں پریاں ہیں دیوانی
 اگر تصویر کھینچی جائے اس روئے منور کی
 شمع مہر ہو ایک ایک موئے خامۂ مانی
 فروغ چہرۂ یوسف مرقع سے نظر آنے
 مثال دیدۂ یعقوب اندھرا گھر ہو نورانی
 جلے شمع رخ ' پروائے ہوش پری رویاں
 ہوائے دعب سے گل ہو چراغ عقل انسانی
 ہوا سے بے سبب جلدش میں کب ہے دامنِ رایت
 ہمارے فتح ہے شہپر سے مصروفِ مکرانی

مسندس

کہا بے ثبات گردش لیل و نہار ہے دن کو نہ ہے قرار ' نہ شب کو قرار ہے
 شام بقا سے صبح فنا ہمکار ہے مضمون بانگ مرغِ سحر آشکار ہے
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے
 اب چونک بچھلی رات کا کیا اعتبار ہے
 سرو رواں میں زور روانی کہاں رہا اٹل سا لطف سحر بھانی کہاں رہا
 سر چہمۂ حیات میں پانی کہاں رہا پیوری میں خواب عہد جوانی کہاں رہا
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے
 اب چونک بچھلی رات کا کیا اعتبار ہے

رباعی

کھونکر کہوں خوشگونی کی خو مجھ میں ہے
 میں تجھ میں ہوں اے حسن جو تو مجھ میں ہے
 خوبی ہے تو دعوے سے زباں بند رہے
 گل یہ نہیں کہتا ہے کہ ہو مجھ میں ہے

مرثیہ

کہا مجلسِ حسین علیہ السلام ہے تسبیحِ سلک اشک ہے ذکرِ امام ہے

اِس انجمن کا فرش بھی فرشِ احترام ہے منبر یہ طور ، ڈاکو موسیٰ کلام ہے
 فانوس ، رشک لالہ باغِ خلیل ہے
 یگانہ نہیں علمِ مہوں پر جبرئیل ہے
 یہ بزم ہے وہ باغ کہ بلبلِ ثواب ہے موتی ہے آبِ اشک ، پسینا کلاب ہے
 شرمندہ داغِ دل سے گلِ آفتاب ہے ساداتِ مرمیوں کی صفت بھکساب ہے
 جو بزمِ تعزیت مہوں ہے وہ حق پسند ہے
 مثلِ عام ہر ایک کا رتہ بلند ہے

پہراہنِ سخن ہے پر قامتِ زبان اِس پھرہن کی چھب مہوں ہے گوہرِ زبان
 ڈاکر بھی ہے زبانِ بھان سے گہرِ فشان منبر ہے لامکانِ تعلیٰ کو نردبان
 مانندِ مہر و ماہِ مضمائمیں بلند ہیں
 اِس مرتبہ میں خلعتِ قدرت کے بلند ہیں

قطعہ

تہنیتِ انیسِ الدولہ بہادر

مبارک ہو آئہی عہد کا دن زیادہ ہو برس ہو شادمانی
 قہامِ عہدِ دولتِ صدرِ بھر ہو دے ہر دمِ خدا کی مہربانی
 برنگِ نشیۂ صہبائے دیریں ضعیفی تک دے جوشِ جوانی
 ضیا بخش چہاں ہو نہرِ بخت مثالِ نورِ مہرِ آسمانی

تاریخِ مسجدِ شیخِ عالم

زندگی ہے یہاں کوئی دم کی برگِ گل پر ہے بوندِ شہلم کی
 نامِ عالم مہوں دے گھا ہے ”صغیر“ یہی مسجد ہے شوخِ عالم کی
 ۱۲۲۸ھ

تاریخِ شادیِ شاہِ مہدی عطا

بہت دن سے تھی آمدِ کتخدائی شبِ عقدِ آئی ، تمنا ہر آئی
 بگے اِس قدر بڑا مہوں خوانِ نعمت کدا سے چھتی بانوے بھلوئی
 براتی ہیں سب اولہاء و مشائخ دے پاکبازی دے پاسرائی
 ہسوئی شادیانے سے آوازِ پھدا ہوئے ہاتھِ مہدی عطا کے حنائی

اماموں سے بارہ ملے سوکڑے جب تو نو قادروں سے ملی نو دعائی
ہزار و دو صد مہوں فراہم نود مہوں میاں خمسہ چست سے ہے اِکائی

۱۴۹۵ھ

وہ تاریخ ہجری ہے یہ سال فصلی ہماریں ہماریں ہو یہ کتخدائی
۱۲۸۵ ف

—————

ہجرت

تربہون ناتھ ”ہجرت“ پلڈت بشمبہر ناتھ ”صابر“ کے بھتے ۱۸۵۳ع
 (۱۲۷۰ھ) مہوں فیض آباد کی تحصیل چلہا مہوں پیدا ہوئے۔ مکتب مہوں
 اردو اور فارسی کی تحصیل کے بعد کولنگ کالج لکھنؤ مہوں ایف اے تک
 انگریزی پڑھی۔ ”قدر“ بلگرامی سے مشورۃ سختی کرتے تھے۔ طالب علمی ہی کے
 زمانے سے ’اودھ پنچ‘ اور اخباروں مہوں مضامین لکھا کرتے تھے۔ ۱۸۹۲ع
 (۱۳۱۰ھ) مہوں وفات پائی۔

”ہجرت“ بڑے بڑے سلیج شاعر اور نثار تھے۔ کلام سے سلاست اور روانی کے
 علاوہ ’طبیعت کی شوخی اور چلبلا پن نمایاں ہے [۱]۔

’اودھ پنچ‘ کا نیا سال

بہار آئی ہے، پھولے چمن، شجر ہیں نہال
 ہرے ہیں سبزے سے جنگل، گلوں سے گلشن لال
 چمن کو پھول مبارک ہو، پھول کو خوشبو
 اودھ کو ’پنچ‘، ’اودھ پنچ‘ کو یہ دوسرا سال
 ہرے کھدے نرالی ہے سبج نرالی دھج
 خدا گواہ، نہا سکہ ہے نئی نکسال
 یہ ہول چال جدا ہے یہ چال قہال جدا
 جدا سختی کی روں ہے جدا یہ طرز مقال
 ہوں لوگ جھومتے ہیں قہل و قال پر اس کے
 کہ جس طرح کسی صوفی کو آئے بزم مہوں حال

معاندین نے پتنگا بہت سر اِس کے لئے
 مگر تراش خواہ اِس کی پائیں تھا یہ متعال
 کہاں یہ فوق سما اور کہاں وہ نصبت ثری
 کجا یراق نبی اور کجا خر دجال
 ہے ابتدا ہی میں اِس کے بس انتہا کا مزا
 خدا کی شان مہ نو میں حسن بدر کمال

اب تو پھول پلا دے ساقی
 پاس نہیں ہے بھونی بھانگ
 خالی ہاتھوں ڈھر کو آئے
 دام کا ذکر نہ لائے جا
 مسرف ہیں، صراف نہیں ہم
 'پلچ' کے دام بھی ہیں کچھ باقی
 رندوں سے اب کے پالا پڑا ہے
 ریچھ کا ناچ نچایا ہم نے
 بجلی چمکی اُتر، دکھن
 کابل پر بھی مارا چھاپا
 توڑ بتایا، جوڑ بنایا
 سال مزے میں کٹا ہم نے
 سال بھرے کی باقی لانا
 اُبلے مٹکا، ہتھکا برسے
 گرم پھالا قہقہائی ہواٹھیں
 خاک پہ برسوں چھڑچھڑ ہونڈیں
 باغ پہ برسے بار بار
 نہر بھری ہے گردن گردن
 مانگیں زباں سے برگ دعائیں
 خوش رہیں ہارب راجا پرچا

بادۂ احمر لا دے ساقی
 نشا جمادے دام نہ مانگ
 چار جو پائے اُتھ اُڑائے
 جام پہ جام پلائے جا
 مانگے تو کھدیں صاف 'نہیں' ہم
 من میں دھرج رکھنا ساقی
 باتوں کا تیری خرچ بڑا ہے
 روم و روس لڑایا ہم نے
 دیکھے سب نے قلم کے جوہن
 حال دکن کا سارا چھاپا
 شام اودھ کا رنگ جمایا
 'پلچ' سے ملک کو پاتا ہم نے
 'ہاں' میں 'رنگیں' ساقی لانا
 نشہ لبی سے رند ہیں ترسے
 سرخ شراب اور اودی گھٹائیں
 گڑ گڑ بادل، پڑ پڑ ہونڈیں
 جھوم کے آئے ابر بھاری
 کھسا نکھرا سارا کُلمشن
 فلچے چلکیں لے کے بلاٹیں
 دل ہو شکستہ چہن ہو ہرجا

جام چہاں نہا

رندوں سے کہاں چہہے گا ساقی پر سال کی مہ ابھی ہے باقی
بہر دے جام شراب ، جلدی آمد آمد ہے سال نو کی
کچھ فکر نہ کر تو اُس کی ، اِس کی کس کی دھی اور دھے گی کس کی
مجھکو مے بہہشی پلا دے اچھے ہی گدوہ مہیں ملا دے

مرفان چمن کا چہچہانا سبزے کا ہوا سے لہلہانا
ہر سرو پہ قمیڑوں کی پرواز پھاری حق سرہ کی آواز
تھلنے تھلنے ہوا کے چہونکے گلدستے چلے ہوئے گلوں کے
وہ صبح کا وقت اور وہ گلزار آنکھوں میں سما گیا بس اکہار
ہر مرغ چمن چہک رہا تھا سارا جنگل مہک رہا تھا
پہسلن تھی دوش پہ اِس بلا کی پھرتی تھی نسیم لڑکھڑائی
شبلم کا ہر ایک قطرہ دُر تھا منہ فلچوں کا موتیوں سے پُر تھا
اک ناز سے نہریں گھومتی تھیں ہر پایے شجر کو چومتی تھیں

لسان الغیب کشمیر

سنہیل قومی اعزاز کے کھونے والے زمانے میں تکم حسد ہونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے خبردار اور بہتخبر سونے والے

گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی

قوی قوم پر آ رہی ہے تباہی

ترے ساتھ کھا قوم نے کی برائی جو گمنام فہرست ہر جا گھمائی
یہ کھا تفرقہ ڈالنے کی سمائی چھتے باپ سے بھتے بھائی سے بھائی

بھلا مقتضایے ریاست یہی ہے ؟

شرافت یہی ہے ، نجابت یہی ہے ؟

قوی قوم کو اِس عداوت نے کھویا جہالت نے کھویا ، حماقت نے کھویا
بنا کھر ترا تھری حادث نے کھویا تجھے فکر بھجیا کی شامت نے کھویا

وہ حالت ہے جس کا سدھونا ہے مشکل

تہ اب سے اب ابھرتا ہے مشکل

میری قوم کے پیارے کشمیری بھائی یہ ہمت دھرمی کہوں اُقلی دل میں سمائی
گھٹا خوف کی کہوں ہے آنکھوں پہ چھائی سمجھ بوجھ کر کہوں ہے بے اعتنائی
زرا دل میں سوچو تو للہ صاحب
ہے ظاہر میں کچھ، دل میں کچھ، واہ صاحب !

یہ غالب ہوئی دنیوی تم پہ مہرت کہ دنیا کو جیتی پہ دی تم نے سہرت
بڑھی ایسی تکذیب بیجا کی عزت ڈھٹائی نگاہوں سے ایمان کی وقعت
نہ ہے اور نہ ہوگا یہ مسلک تمہارا
مبارک تمہیں دھریا پن تمہارا

ارے جوش قومی، کہاں ہے کدھر ہے؟ یہ کیا ہو رہا، دیکھ، شام و سحر ہے
کبھی تیری انصاف پر بھی نظر ہے؟ تری قوم کی، دیکھ، حالت بتر ہے
جو مغلوں کے ہیں یا کہ ہیں صاحب زر
نگاہوں میں تیری تو ہیں سب برابر

بڑھی اس قدر ”ہجر“ نا اتفاقی گئی چہرے آپس کی سب خروش مذاقی
محبت کی ہو تک رہی اب نہ باقی نہیں ہوتے بھائی سے بھائی ملاقی
پھنسی قوم ہے ظلمت ما و من میں
ترقی کا چاند آ گیا ہے کہن میں

رشوت

ایمان کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت چھمکے جو جگر عدل کا وہ تھر ہے رشوت
محتاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت ظالم بھی ہوتا ہو میں وہ تستکیر ہے رشوت
رشوت ہی وہ ڈاؤن ہے کہ جلتے نہیں جس کا
رشوت ہی وہ ناکن ہے کہ ملتے نہیں جس کا
رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام تہویا رشوت ہی نے تھکھر کا یہ نخم ہے ہویا
رشوت ہی سے اعجاز ہمارا گیا کھویا رشوت ہی سے حکام ہمارے ہوئے جویا
بے آبرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بہرور میں
راشی فشب تھر خدا سے نہیں ڈرتے افسوس، عدالت کی سزا سے نہیں ڈرتے

اللہ رے ستم! جور و جفا سے نہیں ڈرتے صدحیف! غریبوں کی ہکا سے نہیں ڈرتے
یہ لوگ جدھر دولت دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں، بلدۂ زر ہیں

حالت پہ غریبوں کی چلا آتا ہے رونا آرام سے گھر جن کو مہسو نہیں سونا
رشوت کے لئے بیچتے پھرتے ہیں بچھونا برہاد اسی طور بدا ہے انہیں ہونا
تقدیر سے ناچار ہیں، کچھ کہ نہیں سکتے
بیچارے بلا زر کے دیے رہ نہیں سکتے

سائل تن تلہا ہے، ستمگار ہزاروں دراصل انار ایک ہے، بھمار ہزاروں
اک جان کی خاطر ہیں طلبگار ہزاروں اک دل ہے فقط اور دل آزار ہزاروں
بہر کس سے اس اندھیر کی فریاد کرے وہ
کہوں کر نہ بھلا روپہا برہاد کرے وہ

چھڑا سی بھی بے نذر تھہرنے نہیں دیتے اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے
پوہل کو کہیں پانو بھی دھرنے نہیں دیتے حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے
ملتی نہیں مہلت کوئی دم ان کے ستم سے
ڈاکو کی طرح لوتتے ہیں روپہا ہم سے

حیرت

محمّد جان خاں ”حیرت“ بایزید خاں [۱] کے بیٹے الہ آباد کے رہنے والے، مرزا اعظم علی ”اعظم“ کے شاگرد تھے۔ ان کے دادا جہانگیر خاں فوج میں رسالدار تھے۔ ۱۲۹۶ھ میں دیوان شائع کیا۔ پھر ۱۳۱۰ھ میں اپنا کلیات چھپوایا [۲]۔

کلام میں گداز ہے، خصوصاً تغزل کا رنگ زیادہ دلہنڈیر ہے، اکثر بلند پایہ مضامین بوساختگی سے کہ جاتے ہیں، جس سے مشاق اور سخن سنج ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

غزلیات

ہر جز میں ہر اک کل میں تو ہی تو نظر آیا سرِ قال کے جب پردہ تو حید میں چھانکا
ہوں منعطرِ رحم دکھا شانِ رحیمی توتے نہ سہارا مری چشم نگران کا

یہ چرخ کھلے پرورِ مجھ سے تیرھی چال چلتا ہے
آہی مجھ کو صدمہ ہو نہ اس کی کیج ادائی کا
عجب کیا وہ نگاہِ پاک سے اس کی طرف دیکھیں
کہ مہرا دل تو آئینہ ہے اُن کی خود نمائی کا

گھاغل عرشِ اعظم پر جو حضرت کی سواری کا
ملک بولے یہ رتبہ ہے بشر کی خاکساری کا
آنارو عکسِ روے یار اپنے شہشہ دل میں
سلہتہ ہے اگر ”حیرت“ تمہیں آئینہ داری کا

[۱]—سخن شعرا میں باز خاں نام لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو خاتمہ کلیات حیرت۔

[۲]—صاحبِ خطباتِ جاوید نے وفات ۱۸۷۵ء کے قریب بتلائی ہے لیکن کلیات حیرت کے تاریخی قطعے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۰ھ (۱۸۹۲ء) تک وہ زندہ تھے۔

اُمیدِ رحم نے دنیا میں رکھ لیا مجھ کو جودل میں یہ بھی نہوئی تو میں کہاں ہوتا

مہر و وفا و عیش و طرب کی تلاش میں
رنج و ملال مجھ کو ملا میں جہاں گیا
اپنا ہی حال تک نہ کھلا مجھ کو تاہمِ رگ
میں کون ہوں ' کہاں سے چلا تھا ' کہاں گیا
آئے سمجھ میں جب نہ یہاں کے تغیرات
نہ رنگسازِ تم ہو ' تمہیں پر گماں گیا
وہم و خیال و خراب ہے دنہائے بے ثبات
جب تم گئے جہاں سے ' تم سے جہاں گیا

شاہاں تھری دستِ درازی کو اے جلتوں ' دامن کا چاک تابہ گردیاں نکل گیا
سن لہجہ ' جلتوں ' کہ تری آبرو نہوں فصلِ بہار میں جو کہوں دل سلجھل گیا

میں دیکھ لوں گا خانہٴ دل ہی میں جب تمہیں
تم بھی کہو گے : ' ہاں ' کوئی اہل نظر ملا
گذری تمام عمر اُسی کے بیان میں
افسانہٴ فراق بھی کیا مختصر ملا
کلیجِ مزارِ روح کو کیا مفت مل گیا
جب قصہٴ تنِ اجاز دیا تب یہ گھر ملا
روزِ ازل ملے ہمیں تھوڑے بجھے ہوئے
دل بھی ملا تو صورتِ شمعِ سحر ملا

وہی ہوتا ہے جو کچھ ہوتی ہے مرضی اُن کی
میں نے جو قصد کیا دل میں ' وہ باطل تھہرا
کھلچکتی ہے مجھے اب سوے عدمِ حبِ وطن
مجھ کو دنیا میں نہ تو ' اے مری مشکل ' تھہرا

یہ عکس ہے تمہارے رخِ بے نقاب کا یا آنکھ میں پھول کھلا ہے گلاب کا
جگا ہے مدتوں کا یہ سونے کا دیر تک موقع ملا نصیب کو پھری میں خواب کا
بوتاہوں کو سمجھے ہیں بوداریاں بشر کہتے ہوں جسکو موتِ وے عالمِ خراب کا

کون بدننام ہوا لوگ کسے ہلستے ہیں آپ سمجھیں تو نتھجھتہ مری رسوائی کا
گر مرا جذب دلی ایلا اثر دکھلائے فائنکے تم بھی پڑھو صبر و شکیبائی کا

وحشت زدوں سے لطف جنوں کچھ نہ پوچھو ہم کیا کہیں کہ ہوتا ہے دیوانے پن میں کیا
آنکھوں نے آپ کی تہ و بالا کیا جہاں ہوتا ہے اور کردش چرخ کہن میں کیا

روز فرقت تو کسی طرح سے مر مر کے کتا
دیکھیں اب ہم کو دکھائے شب ہجران کیا کیا

پیمانہ دل عشق سے بھر جائے تو اچھا ہر پیر کے یہ مرکز پہ تھہر جائے تو اچھا
جس نے مجھے دنیا کے تماشاں کو دکھایا اب اُس کی طرف مہرِ نظر جائے تو اچھا
ہو اُس کُل دغا کی مجھے کون سنگھائے اے باد صبا ، تو ہی اُدھر جائے تو اچھا
روتا ہوا آتا ہے خراباں جہاں میں ہلستا ہوا دنیا سے بشر جائے تو اچھا

سرشار مے عشق پہ ہوتے ہیں اشارے لبریز ہے اب عمر سے پیمانہ کسی کا
بیچپن کو دیتی ہے باطن کی محبت ناحق کوئی ہوتا نہیں دیوانہ کسی کا

شریک روح ہے قالب میں آئینی اُلفت یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا
سموم عشق سے یارب بچائو دل کو چراغِ عمر ہوا کُل تو چل نہیں سکتا

نہیں سنتا کبھی شیون کسی کا آئنی دل نہ ہو دشمن کسی کا

بڑا پھندا ہے زلف مشکبو کا پڑا اس میں اگر کوئی تو چوکا

کون جی دیتا ہے 'دل کون ندا کرتا ہے؟ حوصلہ دیکھو آج اپنے خریداروں کا

تم نے روں تھغ جو سکھائی نظر کو ہم نے دل سرکھ سے لہا کام سہر کا

یہ جتنے مذہب و ملت ہیں سب دنیا کے جھگڑے ہیں

زرا سمجھو تو خالق کون ہے شہخ و بوہمن کا

واں تو بھکار ہیں سب عقل و خرد ہوش و حواس

کوچہ عشق میں ہے کون نگہاں کس کا

✓ جس دن سے تمہیں دیکھ لیا پھر گیا مجھ سے میرا نہیں ، اب ہے یہ دل زار تمہارا

تیغِ نگہ ناز کا مارا نہیں بچتا۔۔۔ اس گھات جسے تم نے اُتارا نہیں بچتا
 کھو کر نہ کریں آپ کی ہم دل سے لطافت۔۔۔ بے اس کے تو ایمان ہمارا نہیں بچتا

آپ کے عشق میں ہیں زندگی و موت خراب
 ہم نے دونوں کو بہم دست و گریباں دیکھا
 جب کہا آپ کے جانناز کہاں رہتے ہیں
 چشمِ حسرت سے سوے گورِ غریباں دیکھا

بوالہوس عاشقِ جو ہیں اُن سے کسی دن پوچھیے
 کس کا کس کا موسمِ گل میں گریباں چاک تھا

سنتے ہیں کہ بچتا نہیں مشتاق تمہارا۔۔۔ جو کچھ ہو مگر ترکِ وفا ہو نہیں سکتا

ہر شب دکھانا پھرتا ہے شرمندگی کا داغ
 جب سے تمہارے بام کی جانب قمر گیا
 کہتے ہیں اُس کو زندۂ جاوید اہل دل
 جو آئے آپ کے درِ دولت پہ مر گیا

”حہرت“ دمِ فنا بھی زباں پر ہو اُن کا نام
 نکلے قفس سے طائرِ جاں بولتا ہوا

سنا خنجرِ بکف قاتل کھڑا ہے آج مقتل میں
 چلیں جانناز، اب موقع ہے قسمت آزمائی کا
 زباں سے ہم نہیں کہتے مگر کانوں سے سنتے ہیں
 وفاداروں میں چرچا ہے تمہاری بیوفائی کا

ساتم زرا چشمِ علایت سے اشارۂ تو کرو
 لاکھوں ہو جائیں گے شرمندۂ احسان پیدا
 سب ترے ظلم کی فریاد اُسی سے ہوگی
 تجھ کو جس نے کہا اے فتلۂِ دوراں پیدا
 فرمانیے تو آپ کی الفت کسے نہیں
 اک میں تہہ رکھا جو گنہگارِ کھاسبب
 کہتے ہیں ترے عشق نے رسوا کیا ہم کو
 کیا خوب نکالی مرے الزام کی صورت
 سوتا ہے اک جہانِ تصور میں آپ کے
 میں لوتتا ہوں اور مرا دل تمام رات

یاں تک کہا دیوانہ کہ بللے لگی زنجیر اب آنکھوں پانو نہ پھیلائے مصیبت

کھونکر بکھر نہ جائے ہر اک اسکی پلک ہوتی فلیچ کے لگ ٹلی ہے نسیم سحر کی چوٹ

چشم جانان میں ہم حقیر ہوئے دیدہ انتظار کے باعث

ہو رہا ہے حلقہ زنجیر، ماتم خانہ آج قید ہستی سے چہ شاید کوئی دیوانہ آج

پہنچی ہے بابِ اجابت تک دعاے میکشاں

مژدہ، اے ساقی، گھٹا آئی سوے مہکناں آج

حال پرسی کو مری آیا جو وہ آفتِ جاں دعب نے دے دیہے تانکے لبِ اظہار میں آج

خواب و خیال گلشنِ ہستی ہے، فانیو، یاں کی خزاں بھی ہوچ، یہاں کی بہار ہوچ

نہ نہند آئے گی مجھ کو نہ موت آئے گی

بتائوے تو شبِ ہجر میں گذر کی طرح

دھونڈتا ہوں میں نہیں لگتا کہیں اُس کا پتا

کہا تمہاری آنکھ کے پردوں میں چھپ جاتی ہے نہند

سرکشی نالہ خاموشی کی دیکھو تو زرا بعد مرنے کے بھی اُٹھتا ہے بگولا ہو کر

کریں وہ سکتیاں ہم پر جہاں تک اُن کا جی چاہے

دھیں گے ہم اُنہیں کے در پہ سنگِ آستان ہو کر

جہاں سے چل بسے کہا کہا ہمارے قافلے والے

ہمیں پہنچے رہے افسوس گردِ کارواں ہو کر

ساقی مجھ جامِ مہ وحدت نہ پلایا، مہکناں بنا کر

کہیں چشمِ فسون ساز کی گردن سے پھرایا، پھمانہ بنا کر

آمد و شد سے نفس کی یہ کھلا راز مجھے

کہ مرے دل کی خبر جاتی ہے سرکار کے پاس

جانہری کی مری اب شکل بھی ہے مولا

کہ نہرا رحم ہی آ جائے گنہگار کے پاس

مہجرم عشق جس کو لوگ کہیں اُس گنہگار کا خدا حافظ
وہ بھی بہار دیکھ کے حیران ہو گئے اہل ارم کو جا کے جو ہم نے دکھائے داغ

شمع دو جب تک نہ آئے حسن مہفل ہے چراغ
جب وہ آ بیٹھے تو پھر تحصیل حاصل ہے چراغ
جس پہ چلتے ہیں پتلی گئے اُس کی لو تم سے لگی
صورت پروانہ دل سوزی میں کامل ہے چراغ
کب تک تشریف دیدار رہوں میں ' یا رب !
مجھ کو پہنچا دے مرے ساتی کوثر کی طرف

فوطے کھانا ہوں ابھی تو بکھر غم میں آپ کے
دیکھوں کب لے جانی ہے تقدیر ساحل کی طرف
وحشو ' مژدہ علامت ہے بہار آنے کی
میں ہوں کہ نہ ہوں اردو کسی کام کے لائق
خود بخود ہاتھ لہکتا ہے گریباں کی طرف
ہو جائے زباں مہری ترے نام کے لائق

کہتے ہیں جس کو دام اُسی کو رحیم بھی
اپنی سمجھ میں کچھ نہیں دیر و حرم میں فرق
تقدیر کا لکھا کبھی " حیرت " مٹا نہیں
ہوتا نہیں نوشتہ لوح و قلم میں فرق

اب تو ہے زندگی و موت میں جھگڑا ' دیکھیں
دونوں دھتے ہیں بہم دست و گریباں کب تک
نالے شب فرقت میں کیے میں نے سحر تک
اللہ رے غفلت ' نہ ہوئی تم کو خبر تک

متاع صبر کہو بیٹھے رقیبان سہم دو بھی
تسہاری راہ وہ ہے جس میں لٹ جاتے ہیں دھڑن تک
جہاں دل تیر مڑاں کے نشانے سے نہیں بچتا
نکاح شوق کہتی ہے بہلا چلیہ تو چلسن تک

کہا بلبل نے قیدی ہوں تری قسمت کی خوبی سے
 نفس بھی وہ ملا ہم کو نہیں ہے جس میں روزن تک

کیا رسائی ہو گئی اس کی بھی چشم یار تک
 نولند آتی ہی نہیں اب دیدہ بودار تک

دیو و حرم اُسی کے ہوں اے شہخ و برہمن کافر سے وہ جدا ہے ' نہ دیندار سے الگ

تمہیں جہاں میں رہو ' میں تو ' لو ' عدم کو چلا :
 تمہارا شہر جدا ہے مرا دیار الگ

دل ہے پسند ' لوجوئے ' لوکن یہ شرط ہے پہلو میں آپ رہیے ہمیشہ بجائے دل

لطف کیا ہے گاؤں میں نہ رہی ہوے وفا
 اب مناسب ہے گلستان میں نہ جائے بلبل

سنہالوے ہمیں اب آپ ' سرور عالم ! گذر گئے ہیں زمانے کے اعتبار سے ہم

او تلد خو ' ہوئے ترے عاشق کہاں سے ہم
 جو دل میں ہے وہ کہ نہیں سکتے زبان سے ہم
 مہمان چلند روزہ کی دعوت نہ ہو سکی
 شرمندہ ہو کے وہ گئے عمر رواں سے ہم
 باغ جہاں میں ہم ہی تھے کیا لائق خزاں
 ملتا کہیں تو پوچھتے اُس باغبان سے ہم

پکارا دست جنوں کو یہ دم خفا ہو کر
 ألجہ گئے ہیں گریباں کے تار تار میں ہم
 جسے سمجھتے تھے اپنا ' وہ دوست اُن کا ہوا
 خراب ہو گئے اِس دل کے اعتبار میں ہم

گناہوں کی ندامت سے جو سرا ڈالا گریباں میں
 تو دیکھا نور ایماں کو چمکتے داغ عصیاں میں
 آہی خیر کرنا بلبلوں کے آشہانوں کی
 سنا ہے آئیں کل خوب بھڑکی ہے گلستان میں

نورے عاشق کو تو سب اہل وفا کہتے ہیں
 اور جو اُس کو ستائے اُسے کہا کہتے ہیں
 عشق کے ' حسن کے رتبے کے سمجھنے والے
 ہم کو بیہوش ' تمہیں ہوش رہا کہتے ہیں
 میں قم و درد سے نالاں ہوں ' مرے سہلے پر
 رکھ دو وہ ہاتھ جسے دست شفا کہتے ہیں

آرام ہے اُن کو جو ترے معصو لقا ہیں
 جب ہم کو در یار کے دھند کی ہوئی فکر
 بہتاب و طرے ہیں جو دریائے جدا میں
 دل کی یہ صدا آئی کہ ہم قبلہ نما ہیں
 اگروہ باغباں ملتا تو انبا پوچھتے اُس سے
 نہال آرزو کتنے دنوں کے بعد پہلے ہیں

بہکا رہے ہیں غور وہ حیران [۱] ہوں کھڑے
 آنکھیں اُدھر ہیں دل ہے اُدھر بولتے نہیں

ہزاروں آفتوں میں بھی خدا کو یاد کرتے ہیں
 فرشتوں سے نہیں ہوتا جو آدمزاد کرتے ہیں

یہ کہکے معجزہ کو پہنچا ہے دنیا ہے زشت میں
 آخر وہی ہوا کہ جو تھا سر و شست میں
 دوزخ کی راہ بھول کے پہنچا بہشت میں
 ہم رہے کے کیا کریں گے اکیلے بہشت میں
 کعبہ میں بھی وہی ہے وہی ہے کشت میں
 "حوریت" جمال جاوے جانان کہاں نہیں

نظر، بے آواز، جہاں سے بھلا پورے کھو نکر
 عدم سے اُن کے دنیا کو جانتے ہیں وطن
 تمہارا نور ہے اِس انجمن کے پردے میں
 مگر ہے بے وطنی اِس وطن کے پردے میں
 یہ شمع دھتی ہے فانوس تن کے پردے میں
 تمام جسم ہے روشن تو روح کے دم سے

معصو جمال کو نہیں آتے نظر کہیں
 آتی نہیں ہے نہلند اجل تو ہی رحم کر
 لگتی ہے روز دولت دیدار ہر کہیں
 قصہ شب فراق کا ہو مختصر کہیں

تم تو دھتے ہو بدگماں دل میں
 آخر ہی ہم کمد اُلغت سے
 اب تمہاری جگہ کہاں دل میں
 لائے اُن کو کشاں کشاں دل میں

یہ حسد مجھ کو کہ اُن کا دوسرا عاشق نہ ہو
اُن کو یہ ضد ہے کہ کوئی دوسرا ہو، میں نہ ہوں

خرام ناز سے تلوار کی رفتار پیدا ہے
جہاں جاتے ہو واں گلیچ شہیداں ہوتے جاتے ہوں
فلوں چھوٹتا جاتا ہے جوں جوں ہوش آتا ہے
کچھ اپنی بے وفائی سے پشیمان ہوتے جاتے ہوں

الغبت میں کسی کی کوئی مرجائے تو جانوں
یہ کام ہے اپنا، کوئی کرجائے تو جانوں

نہیں معلوم یہ اندھیر رہے گا کب تک یا الہی شب فرقت کی سحر ہے کہ نہیں
ظلم کرنے کا نتیجہ بھی کبھی ملتا ہے تم کو ہلکا مٹے معشر کی خبر ہے کہ نہیں
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

جہاں کی سحر کر کے خانہ اصلی کو جائیں گے
تماشا گاہ دنیا ہے، اسے مریلا سمجھتے ہوں
نفس کی آمد و شد ہی نہ ہو، تو کیا اجارہ ہے
طلمس زندگی کو ہم تو ایک دھوکا سمجھتے ہوں

نشانِ کفش پا اُن کا ملے کہوں کر کہ دستے میں
جہاں وہ پانو دکھتے ہوں، بشر آنکھیں بچھاتے ہیں

یہ زندگی ہے جسے اضطراب سمجھتے ہوں
وہ شکل موت ہے سب جس کو خواب سمجھتے ہوں
گئے شباب کے ہمراہ زندگی کے دن
اب آئے جسم کی مٹی خراب سمجھتے ہوں
گنہ اگرچہ ہوئے بے شمار ہم سے مگر
ترے کرم کو بھی ہم بے حساب سمجھتے ہوں

ہم تو ناکہ لطف سے بے بہرہ ہو گئے کچھ سحر بھی ہے کیا نظرِ التذات میں؟

دل گیا کوچہ قاتل میں تو اب تک نہ پہرا
جان بھی جاتی ہے اب دل کی خبر لانے کو
گرمیِ حسنِ جلا دے گی، خبر اس کی نہ تھی
آئے تھے فُلشن ہستی کی ہوا کہانے کو

یہ محسو ہوئے دیکھ کے بے ساختہ پن کو
آٹھلے میں خود چوم لہا اپنے دھن کو

کوئی نافہم سمجھتا ہے کوئی دیرانہ
دیدہ بازی ہے رقبوں سے ہمارے آگے
تو نے رسوا کیا آخر دل مضطر ہم کو
دیکھتے ہیں جو دکھانا ہے مقدر ہم کو
کہ دو پہر آٹھیں گے تسکینِ زبانی ہی سہی
دنِ چوراحت کا بھی ایک وقت معین ہے ضرور
تم نہ تھہرو تو مرا دل ہی تھہر جائے دو
کوئی نادانی سے گھبرائے تو گھبرانے دو
آپ کے چہرے کے یہاں میری وفاداری کے
اب تو ہوں سب کی زبانی پر بھی افسانے دو
جلوہ فرمائے لامکان تم ہو
کوئی جس جا نہیں وہاں تم ہو

دیکھتے دیکھتے مرجائیں گے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلے گا تو اس دیدہ بیدار کی راہ

ہشیار جو مشہور ہیں دنیا کے طلبگار
جانی تو ہے یہ عمر رواں راہ طلب میں
وہ سب ہمیں انجام سے قافلِ نظر آئے
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

سنا ہے اُن کو منظورِ نظر تیغ آزمائی ہے
کہاں شوقِ شہادت نے مری گردن جھکائی ہے
سمجھ کر عاشقِ جانناز اتنا مت سنا ہم کو
اُسی نے دل دیا جس نے تری صورت بنائی ہے

اب لو کہیں چہور دو عہدِ شباب آنے کو ہے
ہوہی میں آؤ کہ وقتِ انقلاب آنے کو ہے
دیدہ بیدار جو کچھ دیکھتا ہو دیکھ لے
حشو تک جس سے نہ چونکے گا وہ خواب آنے کو ہے

نہ خطا اپنی نہ اُن کی ستم آرائی ہے
 یہ مصیبت ہمیں تقدیر نے دکھلائی ہے
 سخت مشکل ہے کرو ضبط تو چلتا ہے جگر
 اور کھفوفت دل کہلے میں رسوائی ہے
 جان بچتی نظر آئی نہیں بیچھیلی سے
 کھا ترے عشق کے پردے میں قضا آئی ہے

نکیرین آکے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کہہ دوں گا
 میں بلندہ ہوں اُسی کا جس پہ سب کا دم نکلتا ہے

کیا مری زندگی بسر نہ ہوئی ہاں مگر ایک طور پر نہ ہوئی
 شب فرقت کی سختیاں دیکھو دم فنا ہو گیا سحر نہ ہوئی
 آپ تک کوں مجھ کو پہنچانا جب کہ تقدیر راہ بر نہ ہوئی

کیا جانے کس کے پاس گیا کچھ نہ پوچھے
 ہم سے ہمارے دل کا پتا کچھ نہ پوچھے
 کیا کہا خرابیاں شب غم کی بیاں کروں
 بے لطف زندگی کا مزا کچھ نہ پوچھے

کیا زمانے سے گئے عشق و محبت والے ؟
 اب کسی میں نہ مروت نہ شناسائی ہے

پہرتے ہی نظر تیری پورا مجھ سے زمانہ معلوم ہوا گردش ایام یہی ہے

قاتلوں میں عجب انداز جفا ہوتا ہے
 کوئی تڑپے تو وہ کہتے ہیں ”یہ کیا ہوتا ہے ؟“
 یہ بھی نہ رنگی قدرت ہے کہ بلندوں میں ترے
 کوئی بیہوش کوئی ہوش رہا ہوتا ہے

بہت ہی مہرے پاس تو ملے پھر کر وہ شوخ
 تقدیر کس مقام پہ پہلو بدل گئی

دیکھ کر عالم رویا میں اُنہیں میں سمجھا
خوابِ فُتلت یہ نہیں بخت کی بوداری ہے

نہ تو کچھ فکر میں حاصل ہے نہ تدبیر میں ہے
وہی ہوتا ہے جو انسان کی تقدیر میں ہے
اُس کا ہر فقرہ ہے بیچھن جواب خط میں
ہے طبیعت میں جو شوخی وہی تحریر میں ہے

سن تو اے دشمن دیں اب تجھے کیا ہے منظور
کوئی دنیا میں مسلمان وہ یا نہ رہے

واہ دے شہرِ خموشاں کے بسانے والے
کہ ادھر جا کے پھر آتے نہیں جانے والے
یہ ترے پلند و وعظ کون سنے ؟ ناصحاً ، عالمِ جوانی ہے

کس طرح سے دل آپ نے پتھر کا بنایا
ہم کو بھی بتا دیجیے تدبیر کچھ ایسی

وطن چھوٹے تو کہو کس طرح قرار آئے
عدم سے آئے تو دنیا میں اشکبار آئے

اے گلِ صدائے نالہ مرے ہر نفس میں ہے
سہلے میں دل ہے یا کوئی بلبلِ نفس میں ہے

بہہوہ کبھی دیتی ہے تائیدِ نظر کی
اب ہم کو خبر ہے نہ اُدھر کی نہ اُدھر کی
جب عشق نہ تھا چہن سے اوقاتِ بسر کی
اب جی سے گذرتے ہیں یہ صورت ہے گذر کی
کروٹ تھی اُدھر کی ' کبھی کروٹ تھی اُدھر کی
کل آپ کی فروقت میں یونہی راتِ بسر کی

رسوائے جہاں ہوتے ہو کہوں غہر کے باعث
جو ' لوگ تمہیں کہتے ہیں ہم کہ نہیں سکتے

سنلتا تو ہوں اکثر کہ وہ آنے کو نہیں تیار
لیکن مری تقدیر بھی جب راہ پر آئے

دست رس یار پہ کھوں کرم مجھے حاصل ہو جائے
اُس سے کیا زور چلے جس کی طرف دل ہو جائے

مذہب عشق میں عاشق کو عجب لطف ہے
کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

قرچہ بند

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں
مشعل ہیں آپ خالق اکبر کی رادگی پور اصل کہا بھلا مرے بخت سہاہ کی
سنلتا نہیں کوئی بھی مجھ داد خواہ کی ہے آپ کو خبر مرے حال تباہ کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے
بارالم نے مہر کی کمر چور چور کی آئی نہیں نظر کوئی صورت سرور کی
حالت بہت بُری ہے دل نا صبور کی ہو جائے مجھ گدا پہ عنایت حضور کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے

قصیدہ

حضرت غوث پاک کی شان میں
غوث پاک اپنی دکھا دیجھے وہ شان مجھے
جس سے مل جائے چمکتا ہوا ایمان مجھے
جاؤں دنیا سے سبکدوش تو معشر میں کرے
سرخرو پھش خدا آپ کا احسان مجھے
مہربانی سے عطا کیجھے وہ طور طریق
کہ زمانے میں کہیں لوگ مسلمان مجھے
ڈرے ڈرے سے جہاں نور الہی ہے عہاں
وہ مدینے کا نظر آئے بھابھان مجھے

قٹاعہ

گل خندان و چشم زم دیکھے زلف و سنبھل کے پیچ و خم دیکھے
 ہتھکڑے میں بہت صلم دیکھے سیکڑوں بلعدۂ درم دیکھے
 اہل ثروت 'عرب' عجم دیکھے صاحب طبلہ و علم دیکھے
 ایک سے ایک محترم دیکھے چشم "حیرت" نے زم سے دم دیکھے

سلیم

گوری شکر ”سلیم“ توجہ بہان عرف لالہ چہن سکھ کے بیٹے لکھنؤ کے
رہنے والے، قوم کے کانستہ تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں تصنیف و تالیف
کا شوق ہوا۔ احمد مہرزا ”صابر“ سے خوشنویسی اور عروض سیکھا۔ معتمد
مہرزا ”انس“ شاکر ”ناسخ“ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ان کا دیوان
۱۳۱۲ھ میں چھپا۔

کلام میں لکھنؤ کی قدیم شاعری کا رنگ جھلکتا ہے، مضمون آفرینی
بھی ہے۔ اپنے زمانے کے رنگ کے موافق استعارے اور تشبیہ کے دلدادہ ہیں [۱]۔

غزلیات

فیض صحبت نہیں بے جوہر ذاتی مسکن
قطرہ شبدم کا صدف میں کبھی گوہر نہ ہوا

صاف باطن جو ہیں آنے میں برابر سب سے پیش
عکس آئینے میں یکساں ہے گدا و شاہ کا

وقت آرائش مقابل ہو کے روئے صاف سے آئینے نے کہا مزاج یار کو برہم کیا

دل و دیں عشق میں ہوئے بریاد دیکھو اب کرے زمانہ کیا

لے گیا راہ حقیقت پر مجھے عشق مجاز
ہر بٹ رنگیں ادا سلگ نشان ہونا گھا

کبھی پہلو سے آنکھوں میں کبھی آنکھوں سے پہلو میں
قیام دل ہے شوق دید میں کب ایک منزل پر

وقتِ گریہ ، کارِ قلمِ دامن تو نے کہا
گر پڑیں ہوندیں جو آنسو کی وہ گوہر ہو گلہوں

کہا کہا ہوس تھی آہِ دل بے قرار میں
کلیجِ قفسِ ملا مجھے فصلِ بہار میں

آنکھوں کو خوں دلائیے مڑکائی کی یاد میں
نشدِ سے چھوڑے رگِ ابر بہار کو

کہوں کہا تجھ سے حالِ دردِ فرقت حاکمیت ہے زیادہ ، رات کم ہے

فیضِ ساقی سے کہا عجب ہے کہ مے قطرہ قطرہ سبو سبو ہو جائے

اب لطفِ دید کیا ہے کہ آئے ہو نزع میں
دل مارنے کی جب مجھے مہلت نہوں دہی

جوہر

جوہر سلگھ ”جوہر“ منشی بختیار سلگھ ”راقم“ کے بیٹے لکھنؤ کے رہے والے، قوم کے کاٹستھ اور راجا لال جی کے حقیقی بھانجے تھے جو امجد علی اور واجد علی شاہ کے زمانے میں فوج کے بخشی تھے۔ کل محمد خاں ”ناطق“ اور خواجہ ”وزیر“ سے اصلاح لیتے تھے [۱]۔ اور مرزا ”غالب“ کے شاگرد رشید تھے۔ اردو کے پانچ دیوان! ان سے یادگار ہیں۔ صاحب خمخانہ جاوید (۱۳۲۵ھ میں) لکھتے ہیں۔ ”ایام ضعیفی میں دس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا“ اس حساب سے تقریباً ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی۔

زبان کی خوبی اور سلاست کے علاوہ کلام میں تصوف غالب ہے۔ اکثر جگہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو تغزل کے مقبول رنگ میں بیان کیا ہے۔

غزلیات

✓ مسلم بھی اُس کے مظہر ہیں کروں سجدہ نہ کیوں جوہر!

نظر آنا ہے، جو کچھ ہے، نمونہ اُس کی قدوت کا

تھہرا وصال وعدۂ فردائے حشر پر دال کو یہاں تحصیل روزِ دگر نہ تھا

دل مرے عشق سے مسرور ہوا، خوب ہوا: جام خالی تھا: یہ معمور ہوا، خوب ہوا

مجھ کو مارا تو نے، اے بھدا دگر، اچھا کیا: قصۂ طولِ مصیبت مختصر اچھا کیا

جلد لا سافراناس میں، ساقی، میرے لعل موتی بوسانا ہوا ابر کھر بار آیا

✓ خار کی طرح ملی باغِ جہاں میں تقدیر:

جس سے لہجوں وہ چہرہ الہتا ہے دامن اپنا

’جگانے صبح وہ بالہیں پہ بے نقاب آیا اُتھو بھی صبح ہوئی سر پر آفتاب آیا

ہم آئے عشقبازی کو ، تم آئے دلموازی کو ؛

کوئی اِس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

میرے مرض کا کچھ نہیں غور از فلان علاج دم لے کے تم یہ جائے گا، اِس کا کھاء علاج؟

سب کھینچتے ہیں نالہ گرم اُس کے واسطے :

اک شمع نے لکائی ہے یہ انجمن میں آگ

صبر آہی جائے گا ، اے نا مصور ، تھک کے خود ہو جائے گا ناچار دل

وہ بادۂ خوار ہوں پہنچوں گا جب لب کوثر

تو دیں گے ساقی کوثر بھی بہر کے جام مجھ

طاہر

طاہر علی ”طاہر“ سید اطہر علی کے بھتیے ’ فرخ آباد کے دہلہ والے تھے - حضرت ”بصیر“ لکھنوی اور امداد حسین ”منہر“ فرخ آبادی سے تلمذ تھا [۱] - شاعری کی طرف ابتدا ہی سے طبیعت مائل تھی - ان سے ایک دیوان یادگار ہے - جسے ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) میں مرتب کیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں مطبع معتمدی کانپور میں چھپوایا [۲] -

غزل میں تلمیحات سے کام لیتے ہیں ’ تصوف کے نکات دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں اور معمولی ترکیدوں میں بلند مقامیں پیدا کرتے ہیں -

غزلیات

روز فرقت نے دیے داغ ’ جگر میں کیا کیا
مشعلیں جلتی ہیں دن کو سرے گھر میں کیا کیا
مجھ سے سوکھا ہے شب غم میں جو اندازِ فغان
درد ہے نالغِ مرقانِ سحر میں کیا کیا

تھر نظر سے جب تن لاف نہ اُرسکا تھروں بدل گئی کہ یہ کھسا نشانہ تھا
دوبا ہوا تھا اُلفتِ ساقی کے رنگ میں طاہر میں گو لباسِ مرا صوفیانہ تھا

وہ نشئیے میں نہ لڑاتے تھے آنکھ غیروں سے
کسی زمانے میں یہ مہکدہ خراب نہ تھا
اب اُس کی بندہ نوازی جو بخش دے ”طاہر“
ہمارے جرم کی کچھ حد نہ تھی ’ حساب نہ تھا

[۱]—سہن شعرا ’ ص ۳۰۱ و خاتمہ دیوان طاہر ’ ص ۲۵۹ -

[۲]—خاتمہ دیوان طاہر ’ ص ۲۶۰ -

آنکھوں ساقی سے ملا کر غہر جب رخصت ہوا
 شربت دیدار پیمانوں میں بھر کر لے گیا
 مانگتا ہوں میں بھی مسجد میں دعاؤں وصل کی
 مجھ کو بھی عشق بتاں اللہ کے گھر لے گیا

جگر میں داغ جلوں پہ حساب دیتا جا نشانہاں مجھے تو اے شباب دیتا جا
 بہار توبہ شکن آگلی ہے اے ساقی چمن کی خہر ہو جام شراب دیتا جا

فائیانہ ہی محبت نے جمائے نقشے
 میں نے اُس بت کو ' نہ زاہد نے خدا کو دیکھا

دیکھ لوں اہل نظر کھنٹ مہخانہ آج
 چشم ساقی کی طرح گردہں میں ہے پیمانہ آج
 وحشت دل کی حمایت پا کے ' اے جوش جلوں '
 عقل سے دست و گریہاں ہے ترا دیوانہ آج

پہنچی کملد آہ فلک تک تو کہا ہوا بام سراں عشق ہے اِس سے سوا بلند

چار آنکھوں ہم نے کی ہوں ' تو غصہ نہ کھجھو
 سائل نہوں ' فقہر نہوں ' راہ گھر ہوں

حضور دیکھ تو لوں اپنے طاق ابرو میں
 میں دکھ کے بھول گیا ہوں دل خراب کہوں
 نہ آئے راز محبت زبان تک دل سے
 چہلک نہ جائے پیالے سے یہ شراب کہوں

کس خرابی سے ملا ہے در جاناں مجھ کو
 یہوں رہنے دے اب اے گردہں درواں مجھ کو
 بخٹھ چاک جگر کے لئے اے دست جلوں '
 کوئی باقی ہو تو دے تار گریہاں مجھ کو
 دھوکا دینے کو فقہرانہ بلدائی صورت
 پھر بھی پہچان گئے آپ کے دربان مجھ کو

دھی قدس مہن بھی مرنے کی آرزو مجھ کو
 دلے کا ہار ہوئی ہر دگ گلو مجھ کو
 لحد مہن رخ نہ کروں کوئے یار کی جانب
 جب اضطراب بھی دھلے دے قبلہ رو مجھ کو
 مہن ساتھ ساتھ چلوں گا ابھی ابھی اے عمر
 سنبھال لہجے دے بار گناہ تو مجھ کو

مال و دولت سے مہن مستغنی ترے در کے فقیر
 کھینچا ہاتھ آئی ہے نقش قدم کی خاک سے

بڑھ گئی شوق شہادت مہن جو بختابی دل
 چال بسمل کی تمہارے جگر افکار چلے
 شکر ہے ہو گئی آسان وہ ملک عدم
 تیری تلوار کے سائے مہن گلہگار چلے

وہ دور کر نہ چلوں جسم زار باقی ہے
 ابھی الجھلے کو دامن سے خار باقی ہے
 بڑھاچکے مہن مرے سوگ مہن وہ سب زیور
 دلے مہن اشک مسلسل کا ہار باقی ہے

اے گل ترے دیوانوں کی ہے وضع نرالی
 قہامت ہے جو دامن تو گریبان نہوں ہے
 ارباب صفا کو ہے تکلف سے غرض کھا
 آٹھلے کے گھر کا کوئی دربان نہوں ہے

ابرو کا جواب ' اے بت ہمار ' کہاں ہے ؟
 ' اِس کاٹ کی ' اِس گھات کی تلوار کہاں ہے '

کیف

شونانہ ”کیف“ پلڈت بھج نانہ چک کے بھگے ایک کہلہ مشق شاہر تھے‘
 شاہری سے گہری داچسپی رکھتے تھے۔ جہاں پہنچتے مشاعرے کی طرح ڈال
 دیتے۔ سہارنپور، فیض آباد، گونڈا، آناؤ وغیرہ میں تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر
 رہے۔ پلشن کے بعد ریاست جے پور میں دیوان ہوئے۔ پھر ۱۹۰۹ء سے لکھنؤ
 میں مستقل قیام کرلیا۔ گوندے سے ”گلدستہ کیف“ ایک ماہانہ رسالہ
 ۱۸۹۲-۹۰ء میں جاری کیا تھا۔ دیوان چھپ گیا ہے۔ ۱۹۱۳ء (۱۳۲۲ھ)
 میں وفات پائی۔
 کلام میں سلاست و روانی ہے۔ زبان شستہ ہے، بلندشوں چست اور دل
 نشین ہیں [۱]۔

غزلیات

کس جگہ تھوندے تجھے والہ و شیدا نہرا
 جب کہیں خاص نہوں کوئی تھکانا نہرا
 تو وہ پکتا ہے کہ جس کا نہیں ثانی پیدا
 کوئی بتلائے کہاں ہے کوئی ہمتا نہرا
 ”کیف“ اُمیدِ رہائی قہدِ وحشت سے نہیں
 یسائو کی زنجیر اب دامنِ صحرا ہوگیا
 کیسا ہے، کہاں ہے وہ، بتائے کوئی کیا ”کیف“
 بے نام و نشان کا تو نشان ہو نہیں سکتا

آہ بھی لب پہ تھی اور نالغہ شہکھور بھی تھا
 رات مجھ سا کوئی اور اے فلک پھر بھی تھا
 یوہاس بسمل کی بچھانے کے لیے مقتل میں
 آب خلیجہر بھی تھا آب دم شمشیر بھی تھا
 اُس کی مہکھل میں سوا تیرے بتا تو اے ”کیف“
 کوئی خاموش بھلا صورت تصویر بھی تھا

نہ تھا جوش جلوں میں جب لہو کا ایک قطرہ بھی
 رگوں کو چھوڑ کر پھر نہشتر فساد کیا کرتا
 تری قدرت کا جلوہ دیکھتا تھا میں حسیلوں میں
 سوا وحدت کے کثرت میں کسی کو یاد کیا کرتا

کسے خبر ہے کہ روز شمار کیا ہوگا خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا

جو گیا واپس نہ آیا بس وہیں کا ہو رہا
 پوچھ پھر کوئی کسی سے کیا نشان کوئے دوست
 وہ ہوں گم گشتہ میں واہ عشق میں اے ”کیف“ زار
 خضر بھی تھو نڈے تو پائے کچھ نشان مدت کے بعد

پائے وحشت دروتا ہے پھر بھابی کی طرف
 بڑھ رہا ہے ہاتھ پھر چھب و گریہاں کی طرف
 قبل معشر ہو اگر منظور معشر دیکھنا
 چلتے پھرتے جائھے گور غریباں کی طرف

مر کے لانا میں وہاں کا کچھ پتا دور ہے ملک عدم نا چار ہوں
 آمد و شد سے نفس کی دہمدم ہو گیا ثابت کہ میں اک تار ہوں
 بھولتا ہے عہد تو ہستی پر آسرا دم کا، اے حباب! نہیں
 پلا دے آب خلیجہر اور قاتل، ابھی باقی ہے دم اس نیم جاں میں
 ہم بھی جائیں گے سوے ملک عدم جانے والوں کی خبر آنے دو

سریانی فن لباس ایسا حاجت اس کو نہیں رہو گی
 اللہ دے ہماری سخت جانی تھغ قاتل بھی خون تھوگی
 ساقی پھر کر پلا دے اک جام ہو خیر تری ' ترے سہو کی
 مسوکتا کیا خدر لے گا کسی کی جب اُس کو آپ ہی اپنی پڑی ہے

بعد مرنے کے کسی کو نہ دکھائی صورت ملکہ لپٹے ہوئے چادر سے خطاوار چلے
 مرتے دم وضع کے پابند یہ دونوں نہ دھے اک روہں راہ عدم ' فاقل و ہشیار چلے

کرے ضبط فغاں جب دل تو بتلا " کیف " فرقت میں
 لبوں پر آئے پھر کس طرح آہ نارسا تھہرے

قیصر

امین الدین ” قیصر “ شاہ ابوالظفر کے بیٹے ‘ شاہ محمد علیہم [۱] کے پوتے ‘ مرزا اعظم علی ” اعظم “ کے شاگرد ‘ شاہ اجمل الہ آبادی کے خاندان سے تھے ۔ ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے ۔ ایک مختصر دیوان ” فرمان سخن “ مطبع نامور ‘ الہ آباد میں ۱۳۱۸ھ میں چھپا ۔ ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی [۲] ۔

کلام میں آتش کا رنگ اور بوساختگی اور قدرت ہے ۔ جذبات کی ترجمانی خوب کرتے ہیں ۔ قافیہ اکثر تازہ اور شگفتہ ہیں ‘ قصائد میں آمد کی کوفت زیادہ نمایاں ہے ۔

غزلیات

کھنچے اے کلک نقشہ مطلع ابروے احمد کا
 سر دیواں پہ چمکے تاج بسم اللہ کی مد کا
 کھلا نام اسم سے اللہ کے متجہ کو محمد کا
 بیتا لام مشدد سے ملا میم مشدد کا
 نشان نقش پا ہے غہرت نور یدبہق
 چراغ طور پروانہ ہے شمع روے احمد کا
 بہار گلشن فردوس پھر جانی ہے آنکھوں میں
 تصور رنگ لاتا ہے ترے روضے کے گلاب کا
 کہے گلابیکہ کردیوان متجہ متحشر میں اے ” قیصر “
 جگہ دو خلد میں مداح آیا ہے محمد کا

[۱] — الہ آباد میں ” دائرۃ شاہ علیہم “ انہیں کے نام سے ہے ۔ سخن شعرا میں انہیں ” شاہ علیہم اللہ “ لکھا ہے ۔

[۲] — ” لغت جگر “ پیدائش کی ‘ ” آہ شاہ شاعراں ‘ قیصر “ وفات کی تاریخ ہے ۔

اب کہاں ہے جاوے دیدار پر پردہ نصیب ایک دن موسیٰ سے لطف بے حجابی ہو گیا

امتی کہتے ہیں بندہ مجھے 'مولا تجھ کو' اس طرح ذکر ہوا کرتا ہے مہرا تہرا

یہ اُن کے بے نشانوں کے نشان ہوں نہ مسکن ہے نہ ہے مدفن کسی کا

یہی "قہصر" ہے جلالت کا وسیلہ

نہ چہرہ تہ ہاتھ سے دامن کسی کا

امانت ہے بتوں کا راز اُلّت دیدہ دل میں

تصور ہے مجھے آنکھوں سے اُن کی پردہ داری کا

جھکا کر نشے میں سر ساقی مہکھ کے قدموں پر

لیا ہے بدکردی سے کام میں نے ہوشیاری کا

بتوں کو جبر کا شہوہ ملا سرکار خالق سے

ہمیں بخشا گیا سامان سب بے اختیاری کا

مرا خط کس طرح 'اے آسمان منزل' تجھے پہنچے؟

پر جبریل سے یہ غم کا دفتر اُتہ نہیں سکتا

فقیری تیرے کوچے کی کہوں بہتر ہے شاہی سے

تیری دولت سرا سے مر کے "قہصر" اُتہ نہیں سکتا

دیکھ کر اضطراب بسمل کا توت جانا ہے دل بھی قاتل کا

اُن کو بے عدل آج دے دیں گے یوں کریں گے معاملہ دل کا

خاک ہم راہ جستجو میں ہوئے نہ ملا پر نشان منزل کا

اُن کی مڑگل تو پھر گلہوں ہم سے کون کاٹتا نکالتا دل کا

ہے نشانی پلدار عبث بادہ کشوں کو ساقی نہ کسی کا ہے نہ مہخانہ کسی کا

نظر آتا نہیں پہلو میں ٹھکا نا دل کا نگہ ناز آزاتی ہے نشانہ دل کا

زور بوہتا ہے ناتوانی کا عشق ایک درگ ہے جوانی کا

جاوے کر ہے وہ مہر پہلو میں لطف ہے صبح زندگانی کا

ساقی پوری وشوں کی خبر کس سے پوچھو؟ جو مہکدے میں ہم کو ملا 'بے خبر ملا

کیا کیا مکان ہیں تھرے لہے اے جمال یار
دل میں جگہ ملی تجھ آنکھوں میں گھر ملا
فعلت میں ہاے ہو گئی آخر تمام عمر
پہری میں بھی نہ وقت نماز سحر ملا

اے شمع جاں، ہے بعد ترے قصر تن میں کیا؟
جب تو نہیں تو اور ہے اس انجمن میں کیا؟

غضب ہے شام ہی سے وصل کی شب دل دھو کتا ہے
خدا جانے کہ ہوگا حال کیا وقت سحر اپنا

جلد دکھلا سحر وصل کی صورت، یارب
دل شب ہجر بٹاں سے مرا گھبرا اُٹھا

خوب میسرے حال سے واقف ہیں اے دل، چشم و گوشت
لطف دونوں کو ملا ہے نامہ و پیغام کا

میلدلیو، مجھ کوں خار نہ ہو سہر چمن؟
کوچہ یار ہی چھوٹا، تو گلستان کس کا؟
آج ہی دست درازی جنوں دیکھتے ہیں
پودہ رہ جانا ہے، اے جھب و گریباں کس کا؟

کر کے بسمل نہ مجھ، شوخ ستمگر، جانا	فصلہ آج توڑنے کا مرے کر جانا
خانہ چشم میں دھوے مرے پودہ ہے یہوں	دیکھوے دیکھوے، اچھا نہیں باہر جانا
یار نے خواب میں دیدار دکھایا ہے ہمیں	بخت خفہ نے جکایا ہے مقدر اپنا
لا تصور میں کسی شمع کا جلرہ، اے دل	تو بھی فانوس خھالی میں بنا گھر اپنا
تہنغ ادا کے وار اُٹھاتے نہ کس طرح؟	پہلو میں دل نہ تھا، کہ ہمارے جگر نہ تھا
وہنا بتوں نے دل کا کیا اس لیے پسند	بہتر خدا کے گھر سے کوئی اور گھر نہ تھا

دھ شرم سہہ کاری سے ہر دم سر گریباں، میں
خدا کے سامنے اے دل، حجاب آیا تو کیا آیا؟

اللہ دے شان مسکن ڈیشان مصطفیٰ کرسی سے بھی بلند ہے ایوان مصطفیٰ
 سایہ کرے گی نور خدا بن کے حشر میں اللہ دے شان وسعت دامن مصطفیٰ
 جبہ سا ہو در سلطان اُمم پر اے دل سہدھا ہوتا ہے وہیں جا کے مقدر اُلٹا
 خضر دل دیر سے کعبے کو لہے جاتا ہے راستہ مجھ کو بتاتا ہے یہ رہبر اُلٹا
 پھر آج سوے گلشن جھونکا چلا خزاں کا اللہ ہے نگہاں بلبل کے آشیاں کا

مذہ دکھانا ہے خدا کو بھی ' یہ اندھیر نہ کر
 حشر کا دن بھی کبھی ' اے شب ہجران ' ہوگا
 قطع ہوگا نہ کبھی سلسلہ پردہ دری
 اپنا دامن ' جو پھٹے گا ' تو گریباں ہوگا
 چومے نہ فتح پائے ید اللہ کس طرح خیر کشا تھی قوت بازوے مرتضیٰ
 میں نہ جانا لے گیا دھوکے سے چلت میں مجھے
 سامنے رضواں نے تھرے گھر کا نقشا کر دیا

کھل گلہں صورت گل جامہ نو کی کلیاں رنگ لایا توے دامن سے لہٹ کر سہرا
 فرط شادی سے سماتا نہوں پوراہن میں اپنے جامے سے ہوا جانا ہے باہر سہرا
 پھلائے پانو ' ہانہ میں جب دل لیا مرا نزدیک ہو کے یار کو دیکھا ' تو دور تھا
 اللہ دے پھنکودی ' نہ ہوئی کچھ خبر ہمیں آئی خزاں ' گذر گئی فصل بہار کب ؟

جب چلی باد مضائقہ ' ایک دم میں مت گیا
 جسم خاکی بھی مرا تھا نقش تصویر حباب

مانع آہ و بکا ' دشمن فریاد ہیں آپ
 سچ تو یہ ہے کہ غضب کے ستم ایجاد ہیں آپ
 وہ ہوا کھاتے ہیں فیروں کو لہے گلشن میں
 اور اے حضرت دل ' مفت میں برباد ہیں آپ

ہمارے دیدہ بھدار ہم سے کہتے ہیں ہمیں کبھی نظر آئی نہ خواب کی صورت
 تھہر تھہر کے بھڑک ' اے فراق کے شعلے ' مڑا یہی ہے بھٹے دل کباب کی صورت

ترا مشقی جائے نہ ، اے شاہِ خوباں ،
 دھے سایہ افکن ہمارے محبت
 نہیں کچھ یہ موقوف شاہ و گدا پر
 جسے چاہے بندہ بناے محبت
 مرا درد دل اُس مسیحا کو لایا
 مرض ہو گیا خود دواے محبت

کھول کر ہم دل کہیں گے خوب حال زار آج
 رحم پر آیا ہے برسوں میں مزاجِ یار آج
 شب کو تھے وہ ہم بغلِ وقتِ سحر کچھ بھی نہ تھا
 سہل کل تک زندگی تھی ، ہوئی دشوار آج

شوق دیدار بڑھ گیا حد سے روزِ معشر کا انتظار ہے آج
 بے نہازی کا ہے غرور اُنہیں کوئی بندہ جو بے قرار ہے آج
 دغِ گلگوں ہے پُرِ مرق اُن کا کہا تپکتی ہوئی بہار ہے آج؟

وصل میں فحش آگیا ہے تابِ نظارہ نہیں
 وہ تو نزدیک آگئے ہیں پر ہوں میں دور آج

سبٹین تھے گلدستہ گلزارِ نبوت تھی ایک میں بوا یک میں تھی خورے محمّد
 اے چرخ آج شب کو چڑھیں گے وہ بام پر دعویٰ ہو کچھ تو تو بھی زمیں پر اُتار چاند
 اکسیر ہوا خواب ، مقدر مرا جاگا ، سونے میں ملی دولت دیدارِ محمّد
 ہاتھ رکھا جو بدن پر مرے تپ دور ہوئی دستِ چانان کی لکھروں کو میں سمجھا تعویذ
 کہا میں ”قہصر“ کہوں کس چہن سے گزری شب وصل
 رات بھر یار رہا مہرے گلے کا تعویذ

روح آنکھوں میں چلی آتی ہے آنسو ہو کر پھر لپٹتا ہے نگاہوں جو خفا تو ہو کر
 ہجرِ ساقی میں جو پیو تھوں کبھی ، اے ”قہصر“
 میرے گلزارِ ٹپک جانی ہے آنسو ہو کر

مجھ کو حیرت ہے نہ آتھتی تھوں کبھی شرم سے جو
 اب اُنہوں آنکھوں نے سیکھا ہے اشارا کیوں کر
 چہن آتا نہیں بے آپ کے دیکھے اِس کو
 دل بہتاپ پہ قابو ہو ہمارا کہوں کر؟

سوچتا ہوں کوئی پہلو نہیں ملتا مجھ کو :
دل مرے ہاتھ میں آ جائے تمہارا کیوں کر ؟

کوئی جاں بر نہ ہوا عاشق شہدا ہو کر
جان لی آپ نے کتلوں کی مسیحا ہو کر ؟
جان کر قہس کسی صاحبِ محفل کا مجھے ،
ناز کوئی ہے شب ہجر بھی لہلی ہو کر
راد پر اُن کو نہ آنا تھا ، نہ آئے ، افسوس !
ہم یہاں مت بھی گئے نہ تھیں کف پا ہو کر ؟

سختی نزع کے صدموں سے ہوا چہرہ کارا موت آئی تھی مرے پاس مسیحا ہو کر
حشر برپا نہ کرے آپ کی رفتار کا ناز دیکھو دیکھو اچھا نہیں ہر بار کا ناز
دامنِ گل کی ہوا چاک قہس تک لے جا اے صبا ، تو ہی اُٹھا مرغ گرفتار کا ناز
مجمع کافر و دیندار وہیں رہتا ہے کوچہ یار میں ہے دیر و حرم کا انداز
دیکھو کتنی ہے اے دل شب ہجر اُن کیسے آج بھڑک رہے مرے رنج و الم کا انداز

ہجر رہتا ہے وصالِ بت ترسا کے عوض
موت آئی ہے مرے پاس مسیحا کے عوض
دلِ مجنوں سے یہ ہر بار صدا آتی ہے
ہاے ، میں کہوں نہ ہوا محفل لہلی کے عوض

لہریز اُس کے دم سے ہیں مے کی گلابیاں
” قہصر “ مجھے ہے ساقیِ گلفام سے فرض

خمرِ مے بہرِ خدا ملے سے لکا دے ، ساقی
ہوئی سہمی نہ مجھے ایک ہی چٹو میں فقط

اللہ اللہ دے ناہرِ شرابِ عرفاں وجد میں چہوم رہا ہے سرِ منہرِ واعظ

ملہ خمر کا پھیر شوق سے تو جام کی طرف
ساقی نہ دیکھ گردہں ایام کی طرف

بہت عجب کر دیا یہ اسہری کے شوق نے
خود مرغِ روح آرز کے گہا دام کی طرف
دنہائے بے ثبات پہ تکھ نہ کر کبھی
اے دل، خیال چاہیہ انجام کی طرف

کہا جائتے تھے باغ جہاں خار زار ہے
پچھتائے آکے گلشنِ ایجاد کی طرف
کوچے میں تھرے اشک کے مانند ہم گرے
تو بھی تو آکے ڈیکھ اس افتاد کی طرف

دیکھیں اُٹھتا ہے حجابِ رخِ تاباں کب تک
نظر آتا ہے چراغِ تہ داماں کب تک

گو قناعت سے نہیں اب طاقت و فتار تک
لو کھواتے جاؤں گے لیکن درِ خمار تک
یوں نہ مہری خاک کو بہرِ خدا برباد کر
اے صبا، لے جا آزا کر کوچہ دلدار تک

بدن میں بادۂ کشوں کے جو اوندھتا ہے لہو
کہاں سے آگئی ساتی تری شراب میں آگ؟
حرارتِ تپِ ہجران سے جسم پہلکتا ہے؛
لگی ہوئی ہے دل خانماں خراب میں آگ

بلبل میں متجھ میں فرق بہار و خزاں کا ہے
میں مبتلا ہوں آپ کا وہ مبتلاے گل
یارب برا ہو صر صر خانہ خراب کا
دو دن چمن میں چھن سے رہے نہ پاگم گل

زنداں میں لے جانے لگا، دمِ قم سے گھوڑانے لگا، سنبھل میں الجھانے لگا اندھیر دکھلانے لگا
دل پیچ میں آنے لگا، زنجیر پہنانے لگا، سر پر بلا لانے لگا، اُس کاکل پیچھاں کا خم
دوری میں تھری زارہوں، باغ جہاں میں خارہوں، مدت ہوئی بیمارہوں، بے مونس و مضغوارہوں
آنکھوں سے دریا بارہوں، مجبورہوں لاچارہوں، اب زیست سے بھزارہوں، سہلے میں گھبراتا ہے دم

صبا نہ چائیں گے اس سال لالہ زار میں ہم
 کہ اپنے دافوں سے گلشن ہوئے بہار میں ہم
 صبا کی طرح پتنگوں کی شکل 'بو کی (دھس'
 ہر ایک رنگ سے جاتے ہیں بزم یار میں ہم
 جفا کی خو ہے انہیں ہم وفا پہ مرتے ہیں :
 نہ اختیار میں وہ ہیں 'فہ اختیار میں ہم
 ہوا شباب میں برباد گلشن ہستی :
 برونگ ہوے چمن اُر گئے بہار میں ہم

دل ہے کہاں 'جگر ہے کہاں 'ہوش ہے کہاں ؟
 مدت گذر گئی کہ کسی کی خبر نہیں
 کرلیں گے درد سر کا ہم اپنے علاج بھی :
 دیوار آپ کی نہیں 'یا سنگ در نہیں ؟

بلوہ شیخ و زاہد بھی اُس بت کے بلندے کہاں رام 'اللہ والے ' ہوئے ہیں ؟
 بتوں کے ہے جلوے میں شان الہی برہمن بھی اللہ والے ہوئے ہیں
 گناہوں کی ' " قہصر " ندامت ہے ہم کو :
 گریہاں میں سر اپنا ڈالے ہوئے ہیں

وہ سگتے کیا : معجب کمبخت انسانہ ہمارا ہے
 زباں پر آگھا تھوڑا سا ' باقی رہ گیا دل میں
 وہ بکھر حسن کہتا ہے کنارہ کش ہو وصلت سے
 کوئی دریا کبھی سوتا نہیں آفواں ساحل میں
 نگاہ شوخ اُن کی جب نکل آتی ہے پردے سے
 چھا اُس کو چہالہتی ہے اپنی آنکھ کے تل میں
 پے فریاد معشر میں نہ خالی ہاتھ جائیں گے
 رگ جاں کا لہو بہر لیں گے اپنے شہشہ دل میں
 مری آنکھوں کے پردے دیکھتے کیا کام آتے ہیں
 چلے آتے ہیں وہ اِن کھڑکوں سے خانہ دل میں

دبا کر فہرکا پہلو، نہ بیٹھو اپنی مختفل میں
 کہا مانو، مری جان، درد اٹھتا ہے مرے دل میں
 خدا کی یاد کے پردے میں اک بت کی پرستش ہے
 چھوڑا رکھا ہے بے گناہ بھی میں نے کعبۂ دل میں

نقوش ہو رہی ہیں، نقش پا ہیں، نقش باطل ہیں
 ہم اپنی خاکساری سے مہمادینہ کے قابل ہیں
 لہو روٹوں نہ کہوں کر طالب دیدار کی آنکھیں
 مقدر کی طرح سے پھر گئی ہیں یار کی آنکھیں

تہد میں بھی نہ چھٹا سلسلۂ خاموشی
 فل ہوا خانۂ زنجیر سے باہر کس دن؟
 آپ، فرمائے، کب تھے نہ بتوں کے بلدے؟
 کشور دل پہ حکومت دہی "قیصر" کس دن؟

اے جلوں، دست درازی کا تری خوف نہیں:
 نہ تو دامن ہوں کسی کا، نہ گریباں ہوں میں
 وعدہ روز ازل نبھ نہ سکا غفلت سے:
 شرم عصیان سے نہ کہوں سر بے گریباں ہوں میں؟
 گل ہوا چاہتا ہے غم سے چراغ ہستی:
 دم کا مہمان ترا، اے شب ہجران، ہوں میں

وقفہ نہیں ہے دم کا بقائے حباب میں
 کہا بے ثباتیاں ہیں جہان خراب میں
 اصرار مجھ کو، وصل سے، انکار ہے انہیں:
 کہا لطف ہو رہے ہیں سوال و جواب میں!

پڑے سوتے ہیں سب، احوال سوز دل نہیں کہتے:
 چراغ زندگی خاموش ہے گور فریباں میں
 عہد دیر و حرم کی فکر میں برباد ہوتے ہو:
 چلو "قیصر" دھو تم خاک بن کر کوئے جاناں میں

آپہی کعبہ مقصود تک کس طرح پہنچوں گا؟
شکستہ پاہوں، دور افتادہ ہوں، کم کردہ منزل ہوں

چبھے ہوں سر بسر تلواروں میں اپنے خار نا کامی
تملنا میں تیری، اے حسرت منزل، توڑتے ہوں

توہی خوشبو آزا لائی ہے اُن کے باسی ہاروں کی؛
صبا، ہم تیرے ہی سر آج یہ سہرا سمجھتے ہیں

ہم اپلی جان سے گذرے، تو یہ کھلا عقدہ :
چھپی ہوئی تھی اجل یار کے تغافل میں
خزاں کے آتے ہی گلشن کا رنگ اور ہوا :
نہ ملدلیب چمن میں، نہ رنگ ہے گل میں

تجہ کو بے فائدہ اُسود مسیحا ئی ہے ؛
کب دوا تیری وہ اے درد جگر، کرتے ہیں؟

کہلاتا نہیں ہے : وہ کسے حہراں بلانہیں گے ؛
آئینہ بندی کرتے ہیں اپنے مکان میں

ہمارے گھر کا پتلا پوچھتے ہیں لوگوں سے ؛
کچھ اب تو راہ یہ، اے دل، وہ آتے جاتے ہیں
میں تو اُن کے مقدر پہ رشک آتا ہے
جو اپنے طالع خفہ جگاتے جاتے ہیں

خدا کے واسطے، اے جذب دل، اُنہیں تھہرا ؛
غضب ہوا کہ وہ قابو میں آئے جاتے ہیں

ہے ہستی مہر و مہتاب لب دریا دم بھر کے لیے سر نہ اُٹھا بھر فلنا میں

دنہائے دوس کا رنگ نہیں ایک طور پر :
اِس باغ میں بہار کہیں ہے، کہیں نہیں
اک خواب ہو گیا ہے مجھے عالم شباب ؛
اب نہ ہونڈتا ہوں میں، وہ زمانہ کہیں نہیں

تیری دیوار تلے حشر بہا رہتا ہے :
 میرے نالوں میں قہامت کا اثر ہے کہ نہیں ؟
 حضرت دل شب فرقت میں جو گہراتے ہیں
 مجھ سے کہتے ہیں کچھ اُمید سحر ہے کہ نہیں ؟

غرور حسن ہے ، اٹکھیلوں سے چلتے ہیں
 وہ مست ناز ہیں ، جام شراب میں آنکھیں

ساقیا ، توڑ نہ شہسے کو ، نہ پیمانے کو
 باب توبہ کی طرح کھول دے مہنگانے کو
 خون ناحق کا بیت شمع پہ ہوتا ہے گماں
 انہیں عشق جلا دیتی ہے پروانے کو

تورا ہی تو ہے کعبہ و بتخانے میں جلوہ :
 توہی نظر آتا ہے میں جانا ہوں جدھر کو

قصہ عاشق و معشوق رہے گا تا حشر :
 جائیں گے پیہں خدا دست و گریہاں دونو

اک آن میں ادنیٰ کو بلادیتی ہے اعلیٰ :
 اللہ کی سرکار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

واں آنے میں حاجت ہے ، یہاں دم ہے لبوں پر :
 مشکل مری دشوار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

ہکا کے الجھتے ہیں تمہارے لب شہریں :
 آپس میں یہ تکرار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

دھچکھاں دامن دل ٹک کی آڑا قالہں گے
 اے جلوں ، چاک تو کرنے دے گریہاں ہم کو

شباب ، ہال کا باندھا ہوا ، چلا آئے :
 رہے نہ نام کو پوری ، خضاب ایسا ہو

پرستش نے تمہاری دین و دنیا سے ہمیں کھویا :
 بگو ' کہتی ہے اب ساری خدائی پرہمن ہم کو
 ہوئے چھراں سحر کو دیکھ کر ہم شام غربت میں
 بہت روپا کھے ' یاد آگئی صبح وطن ہم کو

اے داغ عشق ' خانہ دل کو فروغ دے !
 وہ گھر ہے بے چراغ کہ جس گھر میں تو نہ ہو

اے یار ' چھوڑ اپنی تلون مزاجوں
 دشمن کی دوستی سے ہمارا عدو نہ ہو
 آیا ہے بھول کر ' تو ادب دے نہ ہاتھ سے
 زاہد ' یہ بتکدہ ہے ' یہاں قبلہ رو نہ ہو

طول ہے روز قیامت سے کہیں بڑھ کے ترا !
 کب ہے اُمید سحر ' اے شب ہجران ' مجھ کو ؟
 ضعف اب حد سے بڑھا ہے مدد ' اے جوش جلوں !
 طوق آہن ہے ہر اک تار گریبان مجھ کو

بھی فتنے جگاتی ہے ' بھی محشر اُٹھاتی ہے
 قیامت کے طریقے یاد ہوں رفتار جانان کو

بزم میں عالم حیرت ہے ترے جلوے سے :
 صف کی صف نقش بہ دیوار ہے ' اللہ اللہ !

ساقی سے ایک جام بھی پیا یا نہ بزم میں
 ہم پانی پانی ہو گئے اپنے بڑھا کے ہاتھ

کشا کس میں ہیں وہ بھی ' میں بھی مقتل میں تو پیدا ہوں
 مجھے ہے زخم دل کی فکر ' اُن کو اپنے پھل کی

ہے رنگ مرا نوع دگر ' دیکھ تو لیتے !
 در پھس ہے جلت کا سفر ' دیکھ تو لیتے

اک روز تو آجاؤ ، بتو ، کعبہ دل میں ؛
 کہا نور ہے ، اللہ کا گھر دیکھ تو لہتے
 کعبہ ہے وہی ، دیر وہی ، دل بھی وہی ہے
 کہوں تو کو کہیں کھائے میں بشر ؟ دیکھ تو لہتے

شہادت تیرے ہاتھوں گر مہسر ہو ، تو بہتر ہے ؛
 ترے قدموں پہ اے قاتل مرا سر ہو ، تو بہتر ہے
 مجھے سونے نہیں دیتا لحد میں وعدہ فردا ؛
 آٹھی ، آج ہی سامان معشر ہو ، تو بہتر ہے
 حرم میں جائے خالق سے بتوں کا کھجھہ شکو
 یہ ذکر خیر ہے ، کعبہ کے اندر ہو ، تو بہتر ہے
 نہیں اٹھتی کسی صورت آٹھی سختی ہجران
 مرا بھی دل بہتوں کی طرح پتھر ہو ، تو بہتر ہے
 جسے دونوں جہاں کی حق نے بخشی ہے شہنشاہی
 اسی در کے کدا ، تم چل کے ، ”قیصر“ ، ہو تو بہتر ہے

رہی نزدیک راہ وادی پر خار تھوڑی سی ؛
 مدد کر ، اے جلیں ، مہری دم رفتار تھوڑی سی
 بہت ہے اشتہاق جلوۂ دیدار آنکھوں کو
 دکھانا ہے تجلی روزن دیوار تھوڑی سی
 جہاں تک دیکھنا ہو ، دیکھ لے اُس ماہ تاباں کو
 رہی اب رات بھی ، اے حسرت دیدار تھوڑی سی

بلا سے دم نکل جانا ، نکل جانا تہ خلیج ؛
 مگر جی بہر کے تجھ کو ، اے ستمگر ، دیکھ تو لہتے

بادۂ بیخودی پہا جس نے ، پھر کسی کی اُسے خبر نہ ہوئی
 جان لی صدمۂ جدائی نے ؛ بے ترے زندگی بسر نہ ہوئی
 تیرے قامت کا ذکر گھر گھر ہے یہ قیامت کدھر کدھر نہ ہوئی ؟
 زندگی کت گئی شب غم میں ، نہ ہوئی آخرش سحر ، نہ ہوئی
 بے زباں ہے فقط یہ کہنے کو ؛ شمع خاموش رات بھر نہ ہوئی

ازل سے ہو گیا ابتر مرا مجموعۂ خاطر
مجھے تقدیر نے اُلجھا دیا زلف پریشاں سے
خدا کے واسطے جھٹکا نہ دے، اے اُلمہدن، اس کو؛
ہزاروں حسرتوں لپٹی ہوئی مہں تھہرے داماں سے

ملفوظ ہے یہ گردش لیل و نہار کو: قدرت کی رات وصل کے دن سے بڑی رہے
”قصہ“ نہ جائے دل سے معجونِ خم حسین؛
یہ فوجِ عمر بھر مجھے گھہرے کھڑی رہے

آنے والے مہیں وہ خبر کے لیے؛ بھٹکودی آج بھٹکے نہ کرے

وہ موحد مہیں کہ دن رات دعا کرتا مہوں:
کوئی دل مہیں نہ رہے مہرے، توہی تو ہو جائے
تمہاری زلف پہ سر اپنا جا کے وار آئے:
چوہا تھا سر پہ یہ سودا، اسے اُتار آئے

لائے گی انہیں کھیلچ کے اک دن کششِ دل
کب تک مرے ملنے سے وہ انکار کریں گے

اے صلم بدلے ہوئے تھہرے، خدا کو بھولے
ملنے دکھانے کی کوئی حشر مہیں صورت نہ رہی
پا پہ زنجہور ہوئے ہم، وہ ہوئے پردہ نشیں
اُن سے اب کوئی ملاقات کی صورت نہ رہی

یہ جو سن پایا ہے: سنتے مہیں وہ کچھ حالِ فراق؛
لب پہ پہلو سے دل پُر اضطراب آنے کو ہے

زاہد کو پوچھے دیکھ کے رفتوں نے یہ کہا:
کہہ دے، مے طہور کی خواہش وہ کیا ہوئی؟

عدم کے نہ مسدود رستے رہے، زمہں کے تِلے شہر بستے رہے
رقیبوں سے وہ روز ہلستے رہے مگر عمر بھر ہم ترستے رہے

یہ دعا ہے مری: جب نزع کا حکام آئے ،
نام ہو لب پہ ترا ، دل میں تری یاد رہے

جانب ملک عدم پہنچے میں چلنے کے لئے :
آئے میں جامہ ہستی کے بدلنے کے لئے
اُن کے کوچے سے جو جانا ہے جلازہ میرا ،
حکم دیتے نہیں کاندھا بھی بدلنے کے لئے
نزع میں حسرت دیدار کا یہ مجمع ہے :
روح گہرائی ہے آنکھوں سے نکلنے کے لئے

ملنے موسیٰ تو میں کہتا (یہ سوال اچھا ہے) :
طور اچھا ہے ، کہ وہ برق جمال اچھا ہے ؟
دیکھنے ہی کے مسوکتا ہو تم ، اے جان جہاں !
دم ہے آنکھوں میں مرا ، کہتے ہو حال اچھا ہے
میں بھی راضی برضا ہوں ، نہ کروں گا شکوہ
آپ جو خوش ہیں اسی میں ، تو ملال اچھا ہے
کر رہا ہے دروں باغ جاناں کے اوصاف
یہ بھی چلتا ہوا زاہد کا خیال اچھا ہے
مرض عشق مرا کام کہہ جانا ہے :
وہ بہر حال ، یہی کہتے ہیں حال اچھا ہے

قول حوروں کے شب معراج ، اتراتے ہوئے :
خلد سے نکلے ، مبارک بادیاں گاتے ہوئے
اے نسیم گلشن طوبہ تصدق میں ترے
جائیں گے ہم باغ جنت میں ہوا کھاتے ہوئے
تیرے بلدے کب رکیں گے خلد کو جاتے ہوئے ؟
خط فلامی کا ، چلے جائیں گے دکھلاتے ہوئے
تورے گھر میں مجھ کو لے جانا تھا ، کہہ لے گئے :
خطر بھی کیا خوب بھلکے راہ بتلاتے ہوئے ؟
تجہ پہ کیا دھونی دماؤں ، اے مدیلے کی زمیں ؟
فرق آئے گا ادب میں پانو پہناتے ہوئے

طلبہ کی سمت لے کے چل، اے جوشہیں جڑوں،
الجبہا دے واں مجھے کسی صکرا کے خار سے

دے کے سر، لے در قاتل کی زموں تھوڑی سی
 ہمت اے دل، تجھے لازم ہے یہیں تھوڑی سی
 در جانان یہ جو سجدہ نہیں کرنے پاتے،
خاک مل لیتے ہیں بالائے جبوں تھوڑی سی

اُن کا فلسفہ بھی مسمیٰ مل کے بلا ہوتا ہے :
 برق گرتی ہے جو یہ ابر گہرا ہوتا ہے
 اوج اقبال یہ جب ہفت ہما ہوتا ہے
 تجھ یہ، اے بادشہ حسن، فدا ہوتا ہے
 کہا کہوں، حال شب ہجر میں کہا ہوتا ہے؟
 اے بتو، لب پہ میرے نام خدا ہوتا ہے
 آدمی قبر میں کس طرح نہ غافل سوئے؟
 کیا کرے؟ منزل ہستی کا تھکا ہوتا ہے
 زندگی میں تو عبادت کو نہ آئے مہری؛
 آ کے اب قبر پہ روتے ہو، تو کیا ہوتا ہے؟
 ایک سا درد محبت کا ہے گھٹلا پڑھنا :
 کم بھی ہوتا ہے، تو کمبخت سوا ہوتا ہے
 سر مرا وقف دم تیغ قضا ہوتا ہے؛
 آج یہ سجدہ شکرانہ ادا ہوتا ہے

خاک ہوں گے، خاک سے ریگ رواں ہو جائیں گے
 اِس طرح محو تلاش رفتگان ہو جائیں گے
 ہیں نظر کے سامنے کونہیں کے جلوے یہاں؛
 وہ کہاں مہری نگاہوں سے نہاں ہو جائیں گے؟
 چار ہی دن کے لئے آؤ تین مہجور میں
 ورنہ ارکان عناصر رائگان ہو جائیں گے

اُڑا لائی ہے تو خوشدھو کسی کے باسی ہاروں کی ؛
 یہ سہوا آج ' اے بادل بھاری ' تھہرے ہی سر ہے
 مراد دل میں اُس بت کے ہے اُس کا دل مرے دل میں ؛
 کبھی پتھر میں شیشہ ہے ؛ کبھی شیشے میں پتھر ہے
 بدن میں جان اُجانی ہے دندان قدح کھس کے ؛
 ترا دیدار ' اے ساقی ' شرابِ روح پرور ہے

۷ وصال یار کے لے لو مزے ' سیدھا مقدر ہے ؛
 چھا بھی آج فرط شوق میں جامے سے باہر ہے
 خدا جانے وہ بت ملتا ہے وہاں بھی یا نہیں ملتا ؛
 چلا تو ہوں حرم سے دہر کو ' آگے مقدر ہے
 دلِ اہل صفا ہرگز مکدر ہو نہیں سکتا ؛
 ہر اک کو ایک سادیکہ : یہ آئینے کا جوہر ہے

سوئے دیا نہ وعدۂ فردا نے قبر میں ؛
 خوابِ عدم سے چونک پڑے ' اُٹھ کھڑے ہوئے
 ہر دم ہے اپنی ' منزل مقصود پر نظر ؛
 پہنچے عرب میں ہند سے ' جب اُٹھ کھڑے ہوئے
 مرقد سے سوئے حشر طلب جس کھڑی ہوئی
 دامن کو اپنے جہاز کے ہم اُٹھ کھڑے ہوئے
 اک دن تو پائمال کر ' اے آفتابِ حسن ؛
 سائے کی طرح ہوں ترے در پر پڑے ہوئے
 اے آہ ' جلد شور قہامت دکھا مجھے ؛
 مدت گذر گئی ہے لحد میں پڑے ہوئے

دھے گی واں بھی کیفِ خیمال چشمِ ساقی میں ؛
 سر کوثر بھی لطفِ جامِ صہبا ہم اُٹھائیں گے
 چھپا رکھیں گے عشقِ مصطفیٰ رخسار کو دل میں ؛
 قہامت تک نہ اِس کعبے کا پردا ہم اُٹھائیں گے

نہیں معلوم ہوتی پردۂ غفلت میں انسان کو
قضا روز ازل سے زندگی کے ساتھ آئی ہے

زمین پہ لوت رہا میں، خمار کم کیا ہے؟ بہت ہے، نشہ مے کا آثار کم کیا ہے؟
بتو، نہ روگ دو آنکھوں کو اشکباری کا، یہ ایک عارضۂ انتظار کم کیا ہے؟

ہے سہمہ بنگھی قسمت کا اکر طول یہی،
بڑھتے بڑھتے ترے گھسو کے برابر ہو گی
صلتے ہیں، آتے ہیں ملنے وہ گئے، اے ”قہصر“
لے مہار کو تجھے، عہد ترے گھر ہو گی

قائل، روہ نہ سیکھ قیامت کی چال کی، متی خراب ہوئی دل پائسال کی
میرا غبار بام پہ اک ماہ کے گوا : صورت زوال میں نظر آئی کمال کی
یوں مہکدے میں آج مجھے تازہ کام کر: دے ساقیہ، شراب کوئی پیار سال کی
طول شب فراق کی کچھ انتہا نہیں کھونکر امید ہو مجھے روز وصال کی

تم اپنا آج سرِ شام کھول دو جوڑا، درازی شب فرقت کی انتہا ہو جائے
وفا کی شرط قیامت کے روز ہی یہ کرو، تمہارے وعدۂ فردا کی انتہا ہو جائے
بتوں کے وعدۂ فردا کا اعتبار نہیں : خدا نکو استہ کل پھر مزاج کیا ہو جائے؟
دیکھو ہلالِ ابروے جانان، پیو شراب، اے بادۂ خوارو، عہد کا روزہ حرام ہے

ہوا ہے خلق، جہاں میں، ہر اک فنا کے لئے :
بقا فنا کے لئے ہے، فنا بقا کے لئے
میں ابتداءے محبت میں ہجر کے صدمے :
کچھ انتہا یہی ہے، ظالم، تری جفا کے لئے ؟
میں کس امید پہ فرقت میں زندگی کا توں ؟
کہ کوئی وقت معین نہیں قضا کے لئے
جو اُٹھ ہو مرے گھر میں، تو کچھ ہنسو ہولو :
نہ بت بلے ہوئے بھگتے رہو خدا کے لئے
نہ پایا دہر و حرم میں بھی آپ کو تہا :
کہیں جگہ نہ ملی عرض مدعا کے لئے

سو رہے تھے وہ اندھیری گور میں ' شمعِ مدفنِ روئی ہے جن کے لیے

کوئی بیوقوف دے ' اُٹھراں ہے کوئی ' سکتے ہیں ہے کوئی
وہ جب سے جلوہ گر ہیں ' انجمنِ کچھ اور کہتی ہے
رہی باقی نہ پروانوں کو اب امجدِ دلسوزی ؛
جلی ہے جب سے شمعِ انجمن ' کچھ اور کہتی ہے

بہاں ' واعظ ' نہ کر دنیا میں رہ کر حالِ عقبی کا ؛
بہاں کا اور عالم ہے ' وہاں کا اور عالم ہے

صدائے خلدۂ دل سے تری فرقت میں روتا ہوں ' گلستانِ جہاں نظروں میں مہری بزمِ ماتم ہے

حرم میں بیوں رہو تم گھر بلانے ؛ بتو ' کیا کارخانے ہیں خدا کے ؟
قیامت تک نہ مانوں گا میں ' اے جاں ' نہ وعدے کیجئے روزِ جزا کے
زلفوں کے بلانے میں بسر کرتا ہے کوئی ' سرِ پھٹ کے کتنی ہے شبِ نار کسی کی

ناز کہتا ہے کہ جلوہ حشر برپا کیجئے ' ہے قیامت آپ کی رفتار کس دن کے لیے ؟

نہیکھتے ہو مجھ ؟ دیدار کی حسرت کیا ہے ؟
آج گھونگھٹ چو اُٹھا دو تو قباحات کیا ہے ؟

ے ستمگر ' نہ سہی دور کی آفت نہ سہی ' تہرا قامت تو ہے موجود ' قیامت نہ سہی
رنج کے ' درد کے ' دوری کے ' اُٹھائے صدمے

کون سی ہم نے محبت میں مصہبت نہ سہی ؟
اے جلوں ' چاک گرہاں سے فرض ہے نچہ کو ؛
ہاتھ چلتے دھیں گے ' پانو میں طاقت نہ سہی

ملہ پر نقابِ ذال کے آتے ہیں مہرے پاس
دیئے ہیں مجھ کو شربتِ دیدار چہاں کے

اپنی ناکامی سے برباد رہے دنیا میں ،
 خاک بھی ہو کے نہ ہم آپ کے در تک پہنچے
 آبِ دالے کی کشش ہو گئی دشمنِ آخر
 پھنس کے ہم دام میں صیاد کے گھر تک پہنچے
 شکر صد شکر نمازوں میں کٹی واہِ حرم
 بوٹھٹھے اُٹھتے ہم اللہ کے گھر تک پہنچے

عدم کا راستہ کھونکر کتے کا ؟ گدے کا بوجھ ہے ' منزلِ کُری ہے
 صورتِ سبزہ ہم رہے پامال ، باغِ عالم میں سر اُٹھا نہ سکے
 خانہٴ دل میں آگِ فرقت کی وہ لگا تو سکے ، بجھا نہ سکے
 دکھائے پائے نہ سر ترے در پر ؛ اپنی تقدیر آزما نہ سکے

ناتوانوں کی ترے خاک نہ ہوگی برباد
 چشمِ بد دور ہوں نوچے ترے دامنِ کدے ؟
 کعبے میں ڈھونڈتے کوئی ، کوئی دیر میں :
 اُس بت کی جستجو میں خدائیِ خراب ہے
 تا حشر خفتگانِ مدم چونکتے نہیں
 سچ ہے یہی کہ موت ، قیامت کا خواب ہے
 روزِ جزا کا در ہے ، نہ خوفِ حساب ہے ؛
 بد مست تھوڑے دور میں ہر شہخ و شاب ہے

ہوں دفنِ ترے در پہ ، تمنا تو یہی ہے ؛ آگے مری تقدیر ، ارادا تو یہی ہے
 افہارِ مرے خط کو پڑھیں ، واے مقتدر ، کھا کھجیے ، تقدیر کا لکھا تو یہی ہے

صلصل سے کام ہے ، نہ غرضِ دردِ سر سے ہے ؛
 اے بت ، چہیں کو لاگ ترے سلگِ در سے ہے
 اے خضر کس طریق سے دستہِ حرم کا لیں ؟
 کعبے کی راہ بھی تو اُسی بت کے گھر سے ہے

مرے گلہ تری رحمت سے بڑھ نہیں سکتے ،
 مرے کرہم ، یہ پھر کھوں حساب ہوتا ہے ؟

قصیدہ

چشم جوہلی ملکہ وفتوریا

جو بہکت خواب میں جاگا تو آگیا یہ خیال
 کہ لکھ قصیدہ وہ جس کا جہاں میں ہو نہ مثال
 ہو مدح ایسے شہنشاہ ہفت کشور کی
 ہے رشک مہر میں جس کا کوکب اقبال
 ملا یہ مژدہ مجھے جب کہ خضر قسمت سے
 تو میں نے اُس سے بصد آرزو کہا یہ سوال
 بتا بتا مجھے مدوح کا نشان بتا
 کہ تا میں گوہر مقصود سے ہوں مالا مال
 کہا یہ اُس نے شہنشاہ ملک و قہصر ہلد
 ہوئی ہے نور تاباں سے جس کی شان جلال
 اُسی شہنشاہ عالی کا جشن جہلی ہے
 کہ جس کو تخت حکومت پہ ساتھ ہوں سال
 جوہوں یہ خروش زہری تابگوں دل پہنچی
 ہوئی زبان کو اس کام کی ، دہن میں مجال
 ہوئے مدد کے لئے فکر و ذہن بھی موجود
 فلک سے آ کے مضامین ہوئے شریک حال
 جو مجھ کو فضل خدا سے یہ مل گئے سامان
 آرا ہمارے طہمت بھی کھول کر پر و بال
 گذر گیا وہ ہلندی سے چرخ چارم کی
 زرا ترقی کو دیکھیں تو اُس کی اہل کمال
 لکھ وہ مطلع روشن کہ جس کے پرتو سے
 بنا ہے مہر جہاں تاب نازے کی مثال
 وہ سعد ہے ترا سایہ شہ ستودہ خصال
 پرتے گدا پست تو پائے ہما کا وہ اقبال
 ہوئی ہے معبودوں سے ستفاوت حاتم
 ہے جود فاض سے ہر ایک شخص مالا مال

پڑے اگر نظر کھڑا اگر تھری
 مثال کوہ طلا دم مہوں ہوں جہاں کے جمال
 مدد کرے تری جرات اگر سر مہداں
 شکار شہر کا کرنے لگے جھپٹ کے فزال
 جلائے خرمین جان عدو کو اک دم مہوں
 جو برق تیغ شر دم گرے ہو وقت جدال
 فلک بھی خم پرے تسلیم ہے ازل سے یوہوں
 جھکا رہا ہے سر بلذکی ادب سے ہلال
 جو دیکھ لے رہ پرنور کی وہ جلوہ گری
 فلک کو جادے پہ ہو جائے کہکشاں کا خہال
 ملے جو اوج تری درگہ معلیٰ سے
 ابھی ہوا پہ اُڑیں طائران بے پر و ہال
 کھسی ہے جب در پرنور پر جہیں اُس نے
 ملا ہے مہر کو تب اِس طرح کا اوجِ کمال

قطعہ

زہ اجلال کہا رفعت ہے نقش پایے احمد کی
 کہ جس کے سنگ کو اسود کا ہم ہم سنگ پاتے ہوں
 شب معراج پہنچے پانویہ عرش معلیٰ پر
 یہی قرآن مہوں قوسین کے معلیٰ بتاتے ہوں
 ہوا رہے ہے اُس کا جس کے گھر میں جلوہ فرما ہوں
 سروں کے بل زیارت کو ملک اِس گھر میں آتے ہوں
 جگہ دیتے ہوں اپنے خانہ دل مہوں اُنہیں ”قصر“
 خلیل اللہ سے کہدو کہ ہم کعبہ بناتے ہوں

سخن

غزل ”آتش“

رنگت دکھائی گلشن جنت مقام کی
 شہرت مصوروں مہوں ہوئی اُس کے کام کی

اے چشم دیکھ ہے یہ روہ انتظام کی
 تصویر کھینچی اُس کے رخ سرخ نام کی
 اک صفحے میں قلم نے گلستاں تمام کی
 پہنچ خموشی لبِ ناداں سے کیا گزند
 کرتے ہیں واہ واہ وہی ' ہیں جو حق پسند
 رہتا ہوں مدحت ملکوتی سے بہرہ مند
 گھر سے خدا کے ملتے ہیں مضمون مجھے بلند
 فکر رسا کلمہ ہے کعبے کے بام کی
 اِس تھوڑی سی بساط پہ کھوں کر نہ آئے رشک
 خلعت یہ ہاتھ آیا ہے اِس کو ہر اے رشک
 کھوں دامن کفن پہ نہ ہوں دافہائے رشک
 باغ جہاں میں گل کی قناعت ہے جاے رشک
 عمر دو روزہ ایک تھا میں تمام کی

منجھس

غزل " اعظم "

آہ سوزاں بھی عجب طرفہ بلا ہوتی ہے
 وعد چلانا ہے جس وقت بپا ہوتی ہے
 واں پہنچتی ہے تو بجلی بھی ہوا ہوتی ہے
 خدوب آہ دل بیتاب رسا ہوتی ہے
 میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے
 دودِ دل کا مرے اب قوس قزح سے ہے عبور
 اے مہ برج شرف وے بت فارتگر حور
 دولت عشق تو ہے گو میں نہیں ڈی مقدور
 جانور مانگ کے سوئے میں نہ مجھ کو مجبور
 کہکشاں تک تو مری آہ رسا ہوتی ہے

طرفہ انداز جفا ہے عرض لطف و کرم
 اور تو اور پھوک جانا ہے اِس بات پہ دم
 یوہ گمے اُن کے کہیں حد سے سوا جور و ستم
 سرِ فدا کرنے کی جانباز سے لہتے ہیں قسم
 ہاتھ رکھواتے ہیں شمشیر ادا کے ارپور

ملت نقش کف پا مجھ کو بدایا تم نے خاک میں خاک ٹھہریوں کو ملایا تم نے
 رحم کیا ہاتھ بھی مطابق نہ لگایا تم نے گر پڑا میں تو زمیں سے نہ اُٹھایا تم نے
 آسمان تُوڑ پڑا مہر وفا کے اوپر

مخمس

غزل ثواب عبدالعزیز خاں

برق اندازیاں کرتی ہے سیاہِ شب ہجر
 دیکھو گرم ہے کس درجہ نگاہِ شب ہجر
 آنکس افروز ہوئی شام سیاہِ شب ہجر
 چرخ پر آگ لگانے لگی آہِ شب ہجر
 صورت مہر ہوا سوختہ ماہِ شب ہجر
 نام کو بھی نظر آیا نہ کہیں نورِ ظہور
 نہ کہتی طول میں، رنگت میں بھی آیا نہ فتور
 سب یہ حالات گذرتے رہے آنکھوں کے حضور
 نہ درازی میں کسی کی نہ سیاہی میں قصور
 میں مرے دیدۂ بھدار گواہِ شب ہجر
 مجھ کو ہی تاک لہا ہے مرا دم بھرتی ہے
 پانو کے بدلے رہِ شوق میں سر دھرتی ہے
 مہرے ہی خانۂ تاریک پہ یہ مرتی ہے
 شام کے ہوتے ہی ہر روز کرم کرتی ہے
 دہر مرا ہی ہے مگر زہر نگاہِ شب ہجر

آسی

عبدالعظیم "آسی" سکندریہ ضلع بلہیا کے رہنے والے ' ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ اعظم علی "اعظم" سے تلمذ تھا۔ پچاسی برس کی عمر پاکو ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ یہ اپنے وقت کے باکمال بزرگ، جہد عالم اور حاذق طہوب تھے۔ ایک مختصر دیوان "عین المعارف" ان کی وفات کے بعد اُسی سال مطبع سلووانی بنارس سے شائع ہوا ہے [۱]۔

کلام میں "ناسخ" اور "رشک" کا تتبع کیا ہے۔ شوخی، بلند پروازی، بے ساختگی، ملاسم و موزوں الفاظ کی تلاش پائی جاتی ہے [۲]۔ تغزل میں جاہلجا تصوف کا فلسفہ نظر آتا ہے۔ الفاظ کا اہتمام خوب کرتے ہیں۔ نعت اور مدح میں ایسے اوصاف بہان کلمے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

غزلیات

تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دکھا سکے کے قابل دینا
رشک خورشید جہاں تاب دیا دل مجھ کو
کوئی دلہر بھی اسی دل کے مقابل دینا
درد کا کوئی محل ہی نہیں جب دل کے سوا
مجھ کو ہر عضو کے بدلے ہمہ تن دینا

[۱]—دیباچہ "عین المعارف" (دیوان آسی)۔ [۲]—خوشنڈہ جاوید ج ۱، ص ۶۳، ۶۵۔

اُسی کے جلوے تھے لیکن وصال یار نہ تھا
 مہں اُس کے واسطے کس وقت بےقرار نہ تھا
 خرام جلوہ کے نقش قدم تھے لالہ و گل
 کچھ اور اِس کے سوا موسم بہار نہ تھا
 وفور بھنودی بزم مے نہ پوچھو 'رات
 کوئی بجز نگہ یار ہوشیار نہ تھا
 لحد کو کھول کے دیکھو تو اب کفن بھی نہیں
 کوئی لباس نہ تھا جو کہ مستعار نہ تھا

نقش پا کو کوئی اُٹھا نہ سکا دیکھو — زور نازانی کا
 غر کا اب گذر نہیں دل تک عشق ہمدہ ہے پاسبانی کا
 نہ نمک عشق کا نہ زخمی دل کچھ نہ پایا مزا جوانی کا

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
 بلبل نے نالے کھینچے مہں زار زار دوپا

مقدور مہں ہو یوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے
 کہ اک قطرہ نہیں ملتا ہے بے تدبیر پانی کا

رتبہ پایا ہے مصیبت مہں تو اب دل کو سنبھال
 گر پڑے گا صدمت برق جو بہتاب ہوا
 جس نے دیکھا تجھے کھا خاک لگے آنکھ اُس کی
 دیدہ رخت دیوار بھی بے خواب ہوا
 شعر وہ نور سے لبریز پڑے "اُسی" نے
 حلقہ اہل سخن حالہ بہتاب ہوا

پیش ناصح اور اتنی بےقراری کہا کہوں
 سامنے وہ آگھا وقت شکستہائی نہ تھا
 حد حیرت دیکھتا تھا اپنی 'آرائش کے ساتھ
 اُنہلے خالے مہں وہ معدو خود آرائی نہ تھا

بسانِ آسہا پامے توکل کو نہ لغزش دے
کہ ملتہ میں آڑے گا خود بخود تقدیر کا دانا

حالتِ دل خاک میں کہتا کہ تا ہلکام مرگ
آپ کا شکر جفا یا شکوۂ تقدیر تھا
عشق کیا کیا نسبتیں کرتا ہے پیدا حسن سے
زلف اگر شہرنگ تھی نالہ مرا شب گھر تھا
وہ مصور تھا کوئی، یا آپ کا حسن شباب ؟
جس نے صورت دیکھ لی اک پیکر تصویر تھا

سجدۂ دو جو تمہارا نہ مہسر ہوتا وہی ہم ہوتے، وہی سر، وہی پتھر ہوتا
تم لہٹ جاتے کہیں آکے مرے پہلو سے نالہ شرمندہ نہ، سہمے سے نکل کر ہوتا
مرگھا ”آسی“ دلگھر بھی انا للہ
مرض عشق سے کوئی بھی تو جانہر ہوتا

ہم تو کرتے تھے کدھر حکم قضا نے بھیجا
ہارے، اے بت، ترے کوچے میں خدا نے بھیجا
موتی کسب کمالات وہاں کس کو ملا
وہی اچھے جلوں دنیا میں خدا نے بھیجا
”آسی“ نامہ سہمے، لائق دوزخ بھی نہ تھا
خلد میں اُلغت شاہ شہدا نے بھیجا

سلوک راہِ وفا میں فلما کے طور میں اور
جو آپ مار کے توشہ مرا تو جھک مارا
نہ پوچھو حالتِ دل اُس غریبِ حسرت کی
دکھائی دے جسے ایک ایک قطرے میں دھارا
فراقِ ہمار کی طاقبت نہیں، وصالِ محال
کہ اُس کے ہوتے ہوئے ہم ہوں یہ کہاں یارا
اگر بیانِ حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے، ”آسی“ کلام نا کارا

چھری بھی تیز ظالم نے نہ کر لی ہوا بے رحم ہے قاتل ہمارا
نہ آنا ہم تمہارا دیکھ لوں گے جو نکلا جذب دل کامل ہمارا
معصوم جلوۂ بھونگ ہے دل کہیں پیدا نہیں ساحل ہمارا

ذوقِ قسم و اندوہِ محبت کے میں صدقے

جو داغِ دیا تم نے وہ جانانہ دل تھا

ذلت اگر دلیلِ کمالاتِ عشق ہے ”آسی“ سے بڑھ کے کون ذلیل و زبوں ہوا

فائدہ کس جس کے لیے ہر باغِ ہر گلشن میں تھا

خوب جو دیکھا وہی گلِ میرے پوراہن میں تھا

اس تمنا میں کہ شاید اُن کے دل تک راہ ہو

اس عداوت پر بھی میں برسوں دل دشمن میں تھا

بڑھ کے شہِ رگ سے کلمے ملنے کو وہ آمادہ تھا

ہاے اے وہمِ غلط اب تک میں دردِ افتادہ تھا

غص میں اس طرح گریں حضرت موسیٰ سے نبی

جلوۂ طور ضرور آپ کی تصویر میں تھا

اے لحد، ہاے وہ بھٹیابی شہائے فراق

آج آرام سے سونا مری تقدیر میں تھا

یتیم تو جانتے ہیں کہ عاشقِ فنا ہوا اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

اُس کا پتا کسی سے نہ پوچھو، بڑھے چلو فتلہ کسی گلی میں تو ہوا اُٹھا ہوا

گلوہیوں کے خیال نے گلشن بنا دیا سینہ کبھی مدیلہ، کبھی کربلا ہوا

پلائی ہے ساقی نے کھسی شراب کہ جو رند تھا پارسا ہو گیا

نہ گئے اُس نگاہ سے کوئی اور افتاد کیا مصیبت کیا

نقدِ ہستی نثارِ یار کرے یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا

جاتے ہو جاؤ ہم بھی رخصت ہیں ہجر میں زندگی کی مدت کیا

”آسی“ مست کا کلام سلو

وہظ کیا، پلند کیا، نصیحت کیا

سوے جلّت مجھے اِس کوچے سے کہوں لے جاتے
جان دی آپ پر ' اے جان ' گنہگار ہوا
ہمت اُس کی ہے ' دل اُس کا ہے ' چکر اُس کا ہے
جان کو بیچ کے تھرا جو خریدار ہوا

کچھ خبر کوچۂ جانان کی بھی ہے ' اے واعظ '
عشق بازوں کی ہے جلّت تری جلّت کے سوا

سخت دشوار تھی معشوق سے عاشق کی شناخت
وصل کی رات نہ تھی ' تھی وہ طلسمات کی رات
کچھ ہمیں سمجھیں گے ' یا روز قیامت والے
جس طرح گنتی ہے اُمید ملاقات کی رات
اب تو پھولے نہ سسائیں گے کفن میں "اُسی"
ہے شب گور بھی اُس گل کی ملاقات کی رات

کوئی دشمن ہو "اُسی" یا مرا دوست میں سب کا دوست کھادشمن ہو کیا دوست
فریب عالم صورت سے بچتا نہیں کوئی کسی کا جز خدا دوست

وہاں پہنچ کے یہ کہتا ' صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رت ہے خدا کے نام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اِس طرح والا
کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بارہام کے بعد
طلب تمام ہو ' مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
پہام پر کو روانہ کیا تو رشک آیا
نہ ہم کلام ہو اُس سے مرے کلام کے بعد

نہ چھانی مشیت خاک اپنی کسی نے ہے دل ہی میں وہ کوئے محمد

میں دل سے اُس شہیخ کا ہوں قائل کہ مہکدے میں پڑے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے معبود در شراب ہو کر

فراق میں اِس قدر نہ تڑپو ' ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
 بڑھے گی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر
 نگاہیں برجھی نہیں ہوں اُن کی ' کہ فمڑہ اُن کا نہیں ہے خلیجِ ر؟
 کہیں گے اقرار خون "اُسی" کبھی تو وہ لاجواب ہو کر

نہ مہرے دل ' نہ جگر پر ' نہ دیدہ تر پر '
 کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر
 گداز گار ہوں میں ' واضطو ' تمہیں کیا فکر ؟
 مرا معاملہ چھوڑو شفیق معشر پر

مرا سنبھلنے نلاطم میں بحرِ عشق کے ہے
 مزا تو جب ہے خدا آئے ناخدا ہو کر

حسن کی کم نہ ہوئی گرمیِ بازارِ ہلوز
 نقد جاں تک لیے پھرتے ہوں خریدارِ ہلوز

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کی طرف
 دھارِ خلیج کی فقط عاشق بھدل کی طرف
 ترک دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آسان
 چھوڑ کر سہل ' عبت جاتے ہیں مشکل کی طرف

لب بلب ہے آج تجھ سے تھرے مستانے کی خاک
 خوب پہچان ' اے بت مے نوہں ' پھمالے کی خاک
 تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے ' او باد صبا '
 یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

لوواؤ گے کبھی نہ کبھی عینِ لب سے گلوں میں رنگ گل ہے تو بالوں میں ہوئے گل
 اُس کے سوا تو قابلِ اُلفت کوئی نہیں بلبل نے کر دیا مجھے مشتاقِ روئے گل
 سو گند بے دلوں کی تجھ ' اے خدائے دل ' دیا ہو کچھ مجھے تو نہ دینا سوائے دل
 تم اور دل میں ' اب تو کہیں گا پکار کر دل کی نہ ابتداء ہے نہ ہے انتہاء دل
 دھتے ہو دل میں ' واقف اسرارِ دل ہو تم پورا کرو ہنجر کہے مددے دل

اللہ دے نور سجدة شوق ! _____ مہ دو تم ہو تو مہ جبہیں ہم

ادب آموز نکلا عجزِ راہ آشنائی میں
 حباب آسا میں آنکھوں سے چلا پردست و پائی میں
 برا کیوں مانہیں ہم جو بھیس چاہو شوق سے بدلو
 ہماری ہی نمائش ہے تمہاری خود نسائی میں
 دل درویش کی گردن ہے دور جام جمشیدی
 مذاق سلطنت پایا ترے در کی گدائی میں

رات اتنا کہ کے پھر عاشق ترا غصہ کر گیا
 جب وہی آتے نہیں میں آپ میں آتا ہوں کہوں

جھوٹ کہوں کہتا ہے اے قاصد کہ وہ آتے نہیں
 وہ اگر آتے نہیں ہم آپ میں آتے ہیں کہوں
 یا تو اہل دل سے تھا ہر دم سوال درد دل
 اب ہجوم درد ہے دل میں تو گہراتے ہیں کہوں
 جاے حیرت ہے طلسم انکاد حسن و عشق
 آئینہ جب دیکھتے ہیں ہم تجھے پاتے ہیں کہوں

بدلوں بگولا وہ خاک ہوں میں ' بہوں لہو بن کے ہوں وہ پانی ؛
 جلاؤں قسمت وہ آگ ہوں میں ' آراؤں خاک اپنی وہ ہوا ہوں

عرش ہے دل میں نہ مسجد ہے نہ کعبا دل میں
 سب سہی یار مگر گھر ہے تمہارا دل میں
 اے خہال رخ گلرنگ چلا آ دل میں
 پھول بوردے صفت شیشہ صہبا دل میں
 نہ توپ اس قدر اے عاشق مضطر ' نہ توپ
 دھماکا اُس کا نہ کہیں ہو تہ و بالا دل میں
 کار امروز بغدا مگذار ' اے " آسی "
 آج ہی چاہیے اندیشہ فردا دل میں

جو دیا تولے وہ سب چھین لیا عاشقی سے
شکر اس کا جو نہیں ہے تو شکایت بھی نہیں

ہے اُس میں اور ہم میں آفتاب و شمع کا عالم
وہ جب تک آئے آئے آپ دنیا سے گذر تے ہیں

نہجہ زندگی کا عشق بازی کے سرا کیا ہے
حقیقت میں وہی جیتے ہیں بس 'تجہ پر جو مرتے ہیں
نہ وہ بہتابی دل ہے ' نہ وہ بے خوابی فرقت
لحد میں چھین سے عاشق پڑے آرام کرتے ہیں

دل بے مدعا پایا ' جو دولت ہو تو ایسی ہو
خدا سے پھر نہ کچھ مانگا ' قضاوت ہو تو ایسی ہو
فرشتے سر جھکائیں تھوڑے سجدے کو تواضع سے
سن او مٹی کے پتلے آدمیت ہو ' تو ایسی ہو
جہاں ملنے کی تھوڑے مجھ سے ' میں بھی اے صدمہ کم ہوں
سرا تھوڑے نہ ہو کوئی ' وہ خلوت ہو تو ایسی ہو

تمہیں کثرت سے نفرت ' اور محو ذوق وحدت ہو
کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو
نہ سعادتی کو شرم آئے نہ غمّاری کو غیرت ہو
قیامت میں ترا بلند ترے آئے فطرت ہو
مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کر دے ہیجانہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تھوڑی صورت ہو

تم نہیں کوئی ' تو سب میں نظر آتے کیوں ہو؟
سب تمہیں تم ہو تو پھر ملنے کو چہ ہاتھ کیوں ہو
جب نہیں قیور کو دیدار دکھانا مظلوم
صفت پردہ دار ہم کو اُتھاتے کیوں ہو

صاف دیکھا ہے کہ فلجیوں نے لہو نہو کا ہے موسم گل میں آہی کوئی دلگیر نہ ہو
جس کو دیکھا اُسے چھاتی سے لگائے دیکھا دل جسے کہتی ہے خلقت تری تصویر نہ ہو

تکڑے ہو کر جو ملی کوہکن و مجملوں کو کہیں مہری ہی وہ پہو قی ہوئی نقدیر نہ ہو

کار سازا 'بھی 'آسی' کی دعا ہے تجھ سے :

کام مہرا کوئی ملت کش تدبیر نہ ہو

کہاں دل اور کہاں اُس کے حسن کا جلوہ

کہا ہے عشق نے کوزے میں بلند دریا کو

ہوا کے رخ تو زرا آئے بیٹھ جا' او قیس'

نسیم صبح نے چھوڑا ہے زلف لہائی کو

کسی نہ جوش چلوں میں 'نہ پانو میں طاقت

کوئی نہوں جو اُٹھا لائے کھر میں صبرا کو

ہماری حسن پرستی متعل طعن نہیں

کہ چشم قیس سے دیکھا ہے روے لہلی کو

کوئی تو پی کے نکلے گا اُڑے گی کچھ تو بو ملے سے

در پور مغاں پر مے پرستو 'چل کے بستر ہو

تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری زندگی و مستی

وہ دن بھی ہو کہ تم ہو ہم ہوں دور جام کوثر ہو

کبھی تم نے بھی چاہا ہے کسی کو لو تمہوں کہ دو

نہ آؤ تم مرے پاس' اور صبر آئے یہ کہوں کر ہو

کہتے ہیں تم کو جو دیکھا تو خدا کو دیکھا

خواب میں بھی تو مہسر ہو یہ دولت مجھ کو

کیا خبر تھی کہ اُنہوں کے ہوں کرشمے سارے

شکوہ غور کی ہے اُن سے ندامت مجھ کو

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو معلوم ہوا کہ تم خدا ہو

ہمت ہے تو راہ مختصر ہے اے نازک طلب بس اُٹھ کھڑا ہو

نکلا ہے کوئی تو اُن کے در سے یارب مہرا وہ مدعا ہو

✓ آخر اِکدن 'اے گل تر' دیکھ 'مرجھانا ہوا' اِس قدر بھی اپنے جامے سے کوئی باہر نہ ہو

سوتا ہے اُسی نہلند میں فاقل ابھی ”اُسی“ اپنے قدم پاک کی تھوکر سے جگادو
 جو کہیں ہم زباں سے ‘ ہو جائے ملہ میں لیکن کہوں زباں بھی ہو
 جو ہو سکے ‘ توجہ اس طرح زمانے میں کہ مر بھی جائے تو مرگ اُس کی زندگانی ہو

گہمت گئی وصل میں ‘ فرقت میں بڑھی تھی جتنی
 رات عاشق کی کہی دن کے برابر نہ ہوئی

نہ سلتے تم جو دشمن کی زبانی بہت دلچسپ تھی مہدی کہانی
 گلا حاضر ہے ‘ لیکن فائدہ کیا ؟ کہ ظالم تو ہے مہدی زندگانی
 تسلی کل کے وعدے پر غضب ہے غم عشق اور اُمید زندگانی
 کہاں پیوسف کہاں وہ روے زیبا خدا کو ہے مجھے صورت دکھانی
 یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تیر محبت اور مرگ ناگہانی
 علم گر خلد میں بھی خلیج ناز تصدیق ہے حیات جاودانی

خوف دوزخ ‘ نہ حرص جنت کی بے قرض میں نے تجھ سے اُلفت کی
 دیکھوے تو تیرا ہے دم کہ نہیں آزمائش ہے آج طاقت کی

گھر چھٹا ‘ شہر چھٹا ‘ کوچہ دلدار چھٹا کوہ و صحرایوں لہے پھرتی ہے وحشت دل کی
 جس سے پیوند کیا پائی شکست خاطر ہاے تقدیر ! یہ پھوٹی ہوئی قسمت دل کی
 راستہ چھوڑ دیا اُس نے ادھر کا ”اُسی“
 کہوں ہنی رہ گذر یار میں قربت دل کی

عہد شباب عہد وفائے نگار ہے کتنا ہی پائدار ہو ‘ نا پائدار ہے
 فانی ہے گردشِ فلکی بھی ہمارے ساتھ ساری ہمیں سے دشمنی روزگار ہے
 عشق و ہوس میں حسن کو تیرہوڑ چاہوے مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے
 ذریعہ ادا و ناز کہاں ‘ بے خودی کہاں ؟ اب تو شراب وصل بھی کچھ نازوار ہے
 مستی میں کوئی راز جو ”اُسی“ سے فاش ہو ‘
 معذور ہے ابھی کہ نہا بادۂ خوار ہے

اے شمع ‘ ایک شعلے نے تجھ کو کھا تمام
 ہر قطرۂ سرشک یہاں شعلہ زار ہے

صہبخدم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
ہاے اِس محفل میں ہم آئے تھے رونے کے لئے

سارے عالم میں تیری خوشبو ہے اے مرے رشک گل ' کہاں تو ہے ؟
تجھ کو دیکھ ' پھر آپ میں رہ جائے ' دل پر اِنذا کسی کو قابو ہے ؟
وہ رہرو ہوں میں صورت نکہت گل جسے خار وہ کا بھی کہتے تھے
مگر سر کے بل چلتے تھے اُس گلی میں نشان قدم کوئی پیدا نہیں ہے

دل کی قسمت سے تھے گونہن بھی کم
ہمت اب اِس میں خریدار کی ہے

پڑے تھے صورت نقش قدم ' نہ چھوڑو ہمیں
ہم اور خاک میں مل جائیں گے اُٹھانے سے

ظاہر میں تو کچھ چوت نہیں کھائی ہے ایسی ؛
کہوں ہاتھ اُٹھا یا نہیں جانا ہے جگر سے ؟

بسان شمع سوز غم میں کھا اِخفاے گریہ ہو
گلے کا ہار ہو جانا ہے جو آنسو نکلتا ہے

بے حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار
کھونکت اُس پر وہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

قتلہ زار حشر سب سمجھتے ہیں جس مہمان کو
دامن ناز نکتہ کا گوشہ چلبودہ ہے

حشر مہین ملے پھیر کر کھنا کسی کا ہاے ہاے
" اُسی " گستاخ کا ہر جرم نا بخشودہ ہے

ترجہی نگاہ تیغ جدائی سے تیز ہے
ہاشق کی مرگِ سہل وہ دشوار کیوں کرے

موسلی اگر ملیں ' تو یہ ہے پوچھنے کی بات :
دل ہی نہ ہو ' تو حسرت دیدار کیوں کرے

خوصلہ تیغ جنا کا رہ نہ جائے اُنہی خون تیرا کھچو

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر جی میں آتا ہے کہ سجدا کھجھہ
راہ نکمے نکمے ” اسی “ چل بسا
کہوں کسی سے آپ وعدا کھجھہ

مہری آنکھیں اور دیدار آپ کا ؟ یا قیامت اگلی، یا خواب ہے

حجاب گنج مخفی میں نہاں تھے آہی ہم کہاں آئے کہاں تھے
جب اُس کوچے کی حاصل تھی گداائی خداوند زمین و آسمان تھے
اُٹھ ہم، اُٹھ گھا پردہ دوئی کا ہمارے اُس کے بس ہم درمیاں تھے
نہ نکلی بات منہ سے صورت شمع زبان ایسی تھی گویا بے زباں تھے

وہ حال اِس طرح پوچھتے ہوں کہ اُن کو گویا خبر نہیں ہے
تجراہل ایسا ہے درد دل سے کہ دل میں جس طرح گھر نہیں ہے
نہ کہوں ہو دل کو یقین پھدا شہادت اُن کی ہے فہم اُن کا
نقاب منہ پر نہیں ہے لیکن کسی کو تاب نظر نہیں ہے

حسن کی چارہ گری کا ہے ہوا شور مگر درد الفت کہیں محتاج دوا ہوتا ہے
دشمن زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے قطورہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے
جس میں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی یہ قیامت ہے کہ وہ مجھ سے جدا ہوتا ہے

لذت اک گونہ چاہو مجھ کو کوا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے؟
وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا جس کو ہم آزما نہیں سکتے
مانگتے موت کی دعا، لیکن ہاتھ دل سے اُٹھا نہیں سکتے

لائی عدم میں کشتی عمر رواں مجھے پہنچا دیا ہے بیٹھے بٹھائے کہاں مجھے؟
حق پوچھوے تو بات تھی انصاف کی بھی نام عذر لیا تو کہا بدزباں مجھے
باغ جہاں میں طائر رنگ پریدہ ہوں خوف قدس ہے کچھ نہ ہم آشاں مجھے
لائی عدم سے لے بھی چلی جانب عدم کہیسی رفیق رہ ملی عمر رواں مجھے

کیا راہ طلب مرے بھی طے ہوتی ہے، ” اسی “ ؟
آسودگی حرف زیست؛ یہاں ہے، نہ وہاں ہے

مہری آنکھیں اور اُس کی خاک پا، تھرے کوچے کا اگر دھبر ملے

کچھ نہ پوچھو کہسی نفرت ہم سے ہے ہم ہوں جب تک وہ ہمیں کہونکر ملے؟
 ”آسی“ گریہاں ملا محبوب سے
 گل سے شہلم جس طرح رو کر ملے

ہے صید فدا، جو ہدف تیر نظر ہے چہرو مرے سونے کو: نہ دل ہے، نہ جگر ہے
 ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ دنیا جسے کہتے ہوں عجب راہ گذر ہے
 وہ دور چلا جام مے بونکبری کا ہم وہ ہیں کہ وہ ہم: نہ ہیں اتنی یہی خبر ہے
 پہنچو گئے اسی کوچے میں جس راہ سے جاؤ جو راہ ہے اُس کوچے کی بونکوف و خطر ہے

ہم بزم ہو رقیب تو کہوں کر نہ چھوڑیے آہلک ساز درد کہ نالا کہیں جسے
 پیمانہ نکاح سے آخر چہلک گیا سر جوش ذوق وصل، تمنا کہیں جسے

فہم نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ، دیکھو! مہری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلو دیکھو
 آپ سے دیکھی نہیں جانی تھی مہری زندگی
 لہجہ مرنے ہوں اب مرنے مہرا دیکھو
 رات ”آسی“ کہتے تھے اپنے سہو خانے کو گور
 جیتے جی مرنے ہوں عاشق: تماشا دیکھو

اجی دل میں اُتر آؤ کسی دن مری آنکھوں پر اپنے پانوں دھر کے
 لحد میں اب نہ چھوڑو، اے فرشتو! ستائے ہوں کسی کے عمر بھر کے
 بزمگ شمع تہلدا بھی کر، اے صبح، جلائے ہوں کسی کے رات بھر کے

سب یہ جانیں کہ فزل ”آسی“ مہلوں کی ہے
 شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تو نکلے
 یہ کہ کہ کے اُس نے متایا مجھ کہ جو کہو گھا اُس نے پایا مجھ

مخمس

وقت آخر میں تیرے مضطر کے نہ جہا کوئی عاشقی کر کے
 اب بھی کہتا ہے آہیں بھر بھر کے کون جیتا ہے، اے صنم، مر کے
 آؤ تو دیکھ لوں نظر بھر کے

جھک کے لہلا وہ ہائے تہرے قدم تہہ-و-کرہیں مارنا ترا پیہم
 سر کے بھی اے صنم خدا کی قسم سر کو تکرانے ہیں لحد میں ہم
 لطف بھولے نہیں ہیں تھوکر کے

قصیدہ

مدح نواب کلب علی خاں والی رام پور

کہاں ترا کوئی بھر وجود میں ثانی حجاب ' دیدۂ اہل نظر میں ہے پانی
 زوال صورت اشیا ہے صورت ہمہ اوست غرض کہ ہرچمدانی ہوئی ہمہ داننی
 نہ جان دیکے بھی ہم سمجھو اے نادانی کہ تھا وہی لب جاں بخش دشمن جانی
 تمہیں نہ دل میں چلے آؤ دیکھو سب حال نہیں ہے قابل اظہار درد پلہانی
 ہوا ' نہ برق ' نہ آندھی یہ سب مثال غلط مہوی نظر میں تو گھوڑا ترا ہے لا ثانی

رباعیات

فلجے ' تجھ مہری دلنگاری کی قسم شہنم ' تجھ مہری اشکباری کی قسم
 کس گل کی نسیم صبح خوشبو لائی بیتاب ہے دل جناب باری کی قسم
 باز آؤ دم عشق کے اب بھرنے سے "آسی" کرتے نہیں ہو تم مرنے سے
 معجزوں کے لب گور سے آئی ہے صدا مرنا بہتر ہے عاشقی کرنے سے
 پوری میں ہم شباب کیا کھانا ہے نادان ' وہ لطف اب کہاں آنا ہے ؟
 کہوں کر نہ بڑھاپے میں ہو چہرہ بے نور جب صبح ہوئی چراغ بجھ جانا ہے
 ہستی میں ہدم سے کیا وہ لایا ہم کو آرام سے سوتے تھے ' جگایا ہم کو
 پھونکی نہیں روح قالب خاکی میں در پردہ یہ خاک میں ملایا ہم کو
 یا مجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
 یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا ہر جزو بدن کو دل بدلایا ہوتا

۸۹۷۱۵۴۳۱۰۸

۲ - ۲

R R

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب بطور مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

۱۴

ہندستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ ، الہ آباد

کے مطبوعات

- ۱— از منہ وسطی میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات -
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ، ایم - اے ، ایل ایل ایم ،
سی - بی - اے ، منجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ - فہر منجلد ۱ روپیہ -
- ۲— اردو سروے رپورٹ— از مولوی سید محمد فاضل علی صاحب
ایم - اے - ۱ روپیہ -
- ۳— عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان ندوی - ۴ روپیہ -
- ۴— نائن (جرمن ڈراما) مترجمہ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب -
ایم - اے ، ایم - آر ، اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۵— فریبِ عمل (ڈراما) مترجمہ بابو جگت موہن لال صاحب
رواں - ۲ روپیہ -
- ۶— کبیر صاحب - مرتبہ پلڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -
- ۷— قرون وسطی کا ہندستانی تمدن - از راے بہادر مہا مہو
پلڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ، مترجمہ منشی
قیمت ۴ روپیہ -
- ۸— ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کرپوری -
- ۹— ترقی زراعت - از خانصاحب
دیتی ڈاکٹر زراعت -
- ۱۰— عالم جھوانی - از با
۶ روپیہ ۸ آنہ
- ۱۱— معاشیات

پیشکش
جامعہ اسلامیہ
الہ آباد
۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۲۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۳۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۴۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۵۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۶۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۷۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۸۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۰۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۱۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۲۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۳۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۴۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۵۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۶۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۷۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۸۔ اردو ادب کی تاریخ
۹۹۔ اردو ادب کی تاریخ
۱۰۰۔ اردو ادب کی تاریخ

- ۱۳۔ جواہر سفین - جلد اول - مرتبہ مولانا گوئی چربا گوئی -
 قیمت مجلد ۵ روپیہ ، فہر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۵۔ علم باغبانی - از مسٹر وصی اللہ خاں - ایل - اے - جی - قیمت
 مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ ، فہر مجلد ۶ روپیہ -
- ۱۶۔ انقلاب روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونگس آف انڈیا
 سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ ، فہر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۷۔ چند دکھلی پہیلاں - از محمد نعیم الرحمان ، ایم - اے ، استاد
 عربی و فارسی ، الہ آباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -
- ۱۸۔ تاریخ فلسفہ سیاسیات - از محمد محبوب ، بی - اے (اکسن)
 جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ
 فہر مجلد ۴ روپیہ -
- ۱۹۔ انگریزی عہد مہن ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ
 عبداللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ ، فہر
 مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۰۔ فلسفہ جمال - از ریاض الحسن صاحب - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -
- ۲۱۔ دیوان بہدار - از جاہل احمد قدوائی صاحب - ام - اے - قیمت
 مجلد ۲ روپیہ ، فہر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۲۔ نفسیات فاسدہ - از معتقد ولی الرحمان صاحب ، ایم - اے - قیمت
 مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ ، فہر مجلد ۸ روپیہ -
- ۲۳۔ سلطان الہد محمد شاہ بن تغلق - از پروفیسر آفا مہدی
 حسین ، ایم - اے ، پی - ایچ - قی - قی - لت - قیمت مجلد
 ۳ روپیہ ، فہر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۴۔ نظام شمسی - مترجمہ شہج جگو ، بی - اے ، ایل - قی
 قیمت ۹ روپیہ -

ہندوستانی اکیڈمی یو - پی ، الہ آباد -

چیرٹر - غلام اصغر ، سٹی پریس ، الہ آباد - پبلشر - ڈاکٹر تارا چند ، ہندوستانی اکیڈمی - الہ آباد -

